عاشوراء محرّم

روزِ عید یا روزِ غم وماتم؟

یوم العاشوراء یوم الفرح أم الحزن؟

(باللغة الأردیہ)

تالیف

شیخ الحدیث حکیم ابوالحسن عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ

مراجعہ :

شفیق الرحمٰن ضیاء اللہ مدنی

ناشر

دفتر تعاون برائے دعوت وارشاد وتوعیۃ الجالیات ربوہ، ریاض
مملکت سعودی عرب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عاشوراءمحرّم
روزِعیدیاروزِغم وماتم؟

محرّم عربی اسلامی سال کا پہلامہینہ ہے، جواللہ پاک کے دین میں سراپا حرمت وعظمت وبرکت کا مہینہ ہے۔اسی طرح قمری سال کے بارہ مہینوں میں رجب، ذوالقعدہ اورذوالحجہ کے مہینے بھی معظم اورمحترم قراردئے گئے ہیں۔اسلام چونکہ اللہ کا دین قدیم ہے اس لئے تمام اگلی شریعتوں میں بھی ان چارمہینوں کی حرمت وعظمت مسلم رہی ہے۔

﴿إِنَّ عِـدَّةَ الشُّهُـورِ عِندَ اللّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْراً فِيُ كِتَابِ اللّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَات وَالأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلاَ تَـظْـلِـمُـواْ فِيْهِـنَّ أَنفُسَكُمْ وَقَاتِلُواْ الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَآفَّةً وَاعْلَمُواْ أَنَّ اللّهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴾(التوبۃ:36)

''بےشک مہینوں کی تعداداللہ کےنزدیک کتاب اللہ میں بارہ ہے،اسی دن سے جب سے آسمانوں اورزمین کواس نے پیدا کیا ہے۔ان میں سے چارحرمت والے ہیں۔ یہی درست دین ہے۔پس ان مہینوں میں اپنے اوپرظلم نہ کرو۔''

عرب جاہلیت کے لوگ جوخودکو دین ابراہیمی کا پیروکار کہتے تھے۔وہ بھی ان مہینوں کا احترام کرتے تھے۔اوراس میں باہم قتل وقتال یالوٹ ماراوراپنے دشمنوں سے انتقام لینے سےاجتناب کرتے اوراگروہ ان حرمت والےمہینوں میں کبھی قتل وقتال یالوٹ مارکاارادہ کرتے تو بھی کم ازکم ان مہینوں کی ظاہری حرمت کالحاظ رکھتے ہوئے ان کی ترتیب

وتقدیم میں تاخیر سے کام لیتے تھے۔مثلاً محرم میں قتل وقتال کی ضرورت پیش آ گئی تو اپنے سرداروں سے اعلان کرادیا کہ امسال صفر کا مہینہ پہلے اور محرم کا مہینہ اس کے بعد کا ہوگا ۔یعنی محرم کی حرمت کا قرض ماہ صفر میں ادا کیا کرتے تھے۔ان کے اس عمل کو''نسیء'' کہا جاتا تھا۔

﴿إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَاماً وَيُحَرِّمُونَهُ عَاماً لِّيُوَاطِؤُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللّهُ زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ وَاللّهُ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾(التوبة:37)

یقیناً''نسی'' کا عمل کفر میں زیادتی ہے جس کے ذریعہ کافر لوگ گمراہ کئے جاتے ہیں۔اسی کو ایک سال حلال کر لیتے ہیں اور دوسرے سال حرام قرار دیتے ہیں تا کہ اللہ کے حرام کردہ مہینوں کی گنتی پوری کریں اور حلال کرلیں اس چیز کو جسے اللہ نے حرام کر دیا ہے ان کے لئے ان کے برے اعمال مزین کر دئے گئے ہیں۔اور اللہ کافروں کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا''۔

یوں تو محرم از اول تا آخر،حرمتوں،برکتوں،اور عظمتوں سے بھرپور ہے لیکن اس کی دسویں تاریخ جسے''عاشوراء'' کہا جاتا ہے اس کی مستقل ایک شرعی حیثیت ہے کہ اسی روز سعید میں اللہ رب العزت نے جناب موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور قوم بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم سے نجات بخشی تھی چنانچہ حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کے مسلمانوں نے اس کو شکر وسپاس اور خوشی کا دن قرار دے کر روزہ رکھا۔روزہ کا حکم مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کے بعد ہوا۔رمضان کے روزوں کی فرضیت سے قبل رسول پاک ﷺ اور صحابہ کرام عاشوراء کا روزہ غایت درجہ اہتمام سے رکھا کرتے تھے لیکن رمضان کی فرضیت کے بعد عاشوراء کے

روزوں پر پہلے جیسا اہتمام تو نہ رہا۔لیکن بذات خود رسول ﷺ نے برابر عاشوراء کا روزہ رکھا۔ مدینہ میں یہود بھی یہ روزہ رکھتے تھے۔ مدینہ میں یہود بھی یہ روزہ رکھتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ تم لوگ کیا سمجھ کر یہ روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ اسی دن اللہ نے حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کو فرعون پر فتح عطا کی تھی۔تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن روزہ رکھا تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں زیادہ حقدار ہوں کہ اس شکروسپاس میں موسیٰ کی ہمنوائی کروں۔چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:(لئن عشت لأصومن التاسع والعاشر) ''اگر میں آئندہ سال بقیدحیات رہا تو نویں اوردسویں تاریخ کوروزہ رکھوں گا''۔اورایک روایت میں ہے(لأصومن التاسع والعاشروالحادی عشر)''کہ میں نویں،دسویں،گیارہویں،تاریخ میں روزہ رکھوں گا۔''

یہ رہی اس ماہ مبارک ومحترم کی اصل شرعی حیثیت کہ یہ دن اللہ کی نعمت کے شکروسپاس کا ہے نہ کہ غم واندوہ اورگریہ وماتم کا۔اب یہ ایک علیحدہ بات ہے کہ آئندہ اسی روزسعید کو ۶۰ھ میں ایک انتہائی اندوہناک اورغم انگیز واقعۂ کربلا بھی پیش آ گیا جس میں سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اوران کے تمام اعوان وانصار نے ظالم اوربے رحم دشمنوں کے ہاتھوں شہادت پائی،لیکن عاشوراء کے دن اس واقعۂ کربلا کے پیش آجانے سے اس کی اصل شرعی حیثیت تو نہیں بدل جاسکتی۔دین وشریعت کی تکمیل تو محمد رسول ﷺ کی حیات پاک میں ہوچکی اور ہر دینی وشرعی چیز کی دینی وشرعی حیثیت بالکل متعین ہوچکی۔بعد میں پیش آنے والے حالات واقعات تبدیل نہیں کرسکتے۔

﴿اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلاَمَ دِيناً﴾(المائدة:3)

''آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کردیا اورتم پر اپنی نعمت

(شریعت ودین) تمام کردی۔اورتمہارے لئے اسلام ی کے دین ہونے پررضا مند ہوگیا۔''

لہذا عاشوراءمحرم الحرام کواعزّ اداری،گریہ وماتم اورسینہ کوبی سے تبدیل کرنا سراسر دین وشریعت پرظلم وبےراہ روی اور بے دینی ہے۔اہل اسلام کوایسی لغواور بے ہودہ رسموں سے پرہیز لازم ہے۔جب احکام الٰہی کا پاس ولحاظ اٹھادیا جائے تو محبت رب اوررسول کے کیامعنی ہیں؟اورجب رسول کی رسالت ہی کا پاس واحترام باقی نہ رہا تو رسول کے اہل بیت سے دعویٰ محبت کیا چیز رہی؟ سیدنا امام حسین نواسۂ رسول ہیں اورمحمدﷺ اللہ کے رسول ہیں ،لہذا شرف رسالت،اللہ کی نسبت سے ہے جب اللہ نہیں تو رسول کس کا ؟اورجب رسول نہیں تو اہلبیت کس کے؟ اوراللہ اوراس کے رسول پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ جس دین اورشریعت کو اللہ نے اپنے رسول کی معرفت بھیجا ہے۔اس کا پوری طرح پاس ولحاظ کیا جائے۔

یوم عاشوراء اسلامی تاریخ میں خوشی اورشکر کا دن قرار دیا گیا ہے۔اب ہمیشہ یہ دن اسلام کی نظر میں خوشی اورشکر کا ہی دن رہے گا۔جیسے عیدالفطر وعیدالاضحیٰ کے ایام خوشی اورشکر کے دن قرار دئے گئے۔لہذا ان ایام کوگریہ وماتم ورنج والم کے ایام قرار دینا سراسر کفرانِ نعمت ہےخواہ وہ ان میں کیسا ہی غم انگیز حادثہ رونما ہوجائے۔لیکن ان ایام کی مستقل حیثیت وہی رہے گی جواسلام نےٹھہرائی ہے۔بعض مشترک اقوام اپنے مذہبی تہواروں میں اپنے کسی عزیز کےفوت ہوجانے پر چند سالوں تک خوشی نہیں مناتے لیکن وہ بھی مستقل طور پر ہمیشہ کے لئے ان تہواروں کوغم کا دن قرارنہیں دیتے۔بلکہ ان کی اصلی حیثیت کے مطابق ان کوخوشی کا دن ہی سمجھتے۔لیکن افسوس کہ امت مسلمہ کے ایک طبقہ نے یوم عاشوراء کومستقل طور پرغم والم کا دن قرار دیا ہے۔

شہداءکربلا پر ماتم کیوں؟

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اوران کے ساتھی سن ۶۰ھ میں کربلا کے مقام پرظلماً شہید کئے گئے۔اگرہم واقعتاً انھیں شہید جانتے اورمانتے ہیں اوراس قرآنی حقیقت پرہمارا یقین ہے کہ جولوگ راہ اللہ میں مارے جاتے ہیں وہ مردہ نہیں زندہ ہیں اوراپنے رب کے نزدیک روزی پاتے ہیں (القرآن) توان پرسال بہ سال نوحہ خوانی اورگریہ وماتم کیا معنی رکھتا ہے؟کیا رسول پاک کے ہمراہ بدروحنین میں لڑکرشہید ہونے والوں میں سے کسی ایک پربھی گریہ وماتم کی ضرورت آ نحضرت ﷺ کی زندگی میں یا آپ کے بعد سمجھی گئی ؟اگرنہیں توکیوں؟

اسی لئے توکہ وہ زندہ ہیں اورزندوں کیلئے گریہ وماتم نہیں کیاجاتا۔اوراگریہ کہاجائے کہ جنگ وبدرواحدکے شہداء کفارومشرکین کے ہاتھوں قتل ہوئے اورامام حسین اوران کے ساتھی نام نہاد مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کئے گئے توحضرت عثمان وعلی وحسن رضی اللہ عنہم بھی تونام نہادمسلمانوں ہی کے ہاتھوں شہید ہوئے توان پرگریہ وماتم کیوں نہیں کرتے؟کیا اسلامی غزوات کی تاریخ میں کوئی ایک بھی شہادت رسول پاک ﷺ کی زندگی میں یا آپ کے بعد ایسی نہ تھی کہ اسکے لئے آنسوؤں کے چند قطرے بہائے جاتے؟ کیا دوررسالت کے شہداء جن کی شہادت کی تصدیق قرآن پاک نے کردی ہے وہ بھی اس لائق نہیں تھے؟ ضرور اس لائق تھے لیکن دین اسلام میں شہادت مومن کے لئے ایک اعزازوانعام ہے مصیبت وغم نہیں، اللہ پاک نے شہادت کوشہداء پراپنا ایک

عظیم انعام واحسان قراردیا ہے۔جیسا کہ اللہ کاارشاد ہے:﴿إِن يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ وَتِلْكَ الأيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّهُ الَّذِيْنَ آمَنُواْ وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاء ﴾(آل عمران:140)

'' اگر تم زخم ہوئے ہوتو تمہارے مخالف لوگ بھی ویسے ہی زخمی ہو چکے ہیں اورتکلیف اورشدائد کے ان دنوں کوہم لوگوں کے درمیان پلٹتے رہتے ہیں اورایسا اسلئے بھی ہوتا ہے تاکہ اللہ ایمان والوں کوجان لے اورتم میں سے کچھ لوگوں کوشہادت عطافرمادے''۔

پس جب مومن کیلئے شہادت اللہ کا عطیہ اورگرانقدربخشش ہے تواس پرگریہ وماتم کرنے والے دشمن ہی ہوسکتے ہیں دوست نہیں ہوسکتے ۔یا پھرپوری تاریخ اسلام سے کم ازکم ایک ہی مثال پیش کی جائے کہ کسی بھی شہید اسلام کیلئے یہ طریقہ روا رکھا گیا ہے۔

شریعت اسلامی کی رو سے توعام اموات پربھی تین دن سے زیادہ سوگواری جائزنہیں، صرف عورت کو اپنے خاوند کیلئے چارماہ دس دن تک سوگ کرسکتی ہے۔

لیکن نوحہ خوانی اورماتم کی توسرے سے اسلام میں کوئی گنجائش ہی نہیں ہے ۔نبی ﷺ کا ارشاد ہے: (ليس منا من ضرب الخدود وشق الجيوب ودعى بدعوى الجاهلية) ''وہ شخص ہم میں سے نہیں جواپنے رخساروں کوپیٹے اورگریبانوں کوپھاڑے اورعہد جاہلیت کا آوازہ بلندکرے۔ یعنی واویلا پکارے'' (بخاری ومسلم)

نیزآپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (النّياحة من عمل الجاهلية)''

نوحہ خوانی جاہلیت کے دورکا عمل ہے ''۔ لہذا تذکرۂ شہادت حسین کے ساتھ نوحہ خوانی ،ماتم وگریہ کی رسم جسے حُبّ حسین اورحُبّ اہل بیت کی علامت سمجھاجاتا ہے۔سراسرحسین کے ناناجان کے حکم کی صریح خلاف ورزی ہے اورشریعت اسلامی کی رو سے بدعت وضلالت کے سواکچھ نہیں ہے۔ کم ازکم اہل سنن کو جنہیں پیرویٔ سنت رسول کا دعویٰ ہے اس بدعت سے بازآجانا چاہئیے۔

اول تواس تاریخی دن میں رسول پاکﷺاورآپ کے آل واصحاب سے روزہ رکھنے کے سواکوئی دوسراعمل یاکسی تقریب کا انعقاد ثابت نہیں۔لیکن اس دن کی شرعی حیثیت کی مناسبت سے اگرکوئی تذکرہ موزوں اورمناسب بھی ہوسکتا ہے تووہ جہادموسوی اورفرعون وآل فرعون پران کو غلبہ عطاکئے جانے کا۔نہ کہ تذکرہ شہیدکربلا۔واقعۂ کربلااپنی جگہ کتنا ہی اہم سہی۔اسکے تذکرہ کے اوربھی مواقع ہوسکتے ہیں لیکن عاشوراء کی شرعی حیثیت سے اسے دورکا بھی واسطہ نہیں ۔لہذا یوم عاشوراء سے اس بدعت کو ختم کیا جانا چاہئیے ۔

واقعات کربلا پربھی ایک سرسری نظر

واقعات کربلا کواگراسکے پس منظروپیش منظرمیں دیکھا جائے تواسکی ذمہ داری ایک ایسے اسلام دشمن سازشی گروہ کے سرآتی ہے جسکی اسلام دشمنی سے آج تک ملت اسلامیہ اورامت محمدیہ کوایک امت اورایک ملت بنکررہنا نصیب نہ ہوسکا۔ اوردنیا بھرکی اسلامی حکومتوں کا شیرازہ آج تک یہی سازشی گروہ بکھیرتا چلاآرہا ہے۔اوراگران واقعات کواسکے پس

منظراورپیش منظرسے کاٹ کردیکھا جائے کہ وہ یزید بن معاویہ کے عہدمیں پیش آئے لہذا وہی ان تمام واقعات کا ذمہ دار بھی ہے تواسکی تان خلفاء ثلاثہ ابوبکرؓوعمرؓوعثمانؓ اورمعاویہ ؓاوراصحاب رسولﷺ پرجاکرٹوٹے گی۔کیونکہ یزید کیلئے بیعت خودمعاویہ ؓنے اپنی زندگی میں اپنے ارباب شوریٰ کے مشورہ سے لی تھی۔

اورمعاویہ کوشام کا گورنرحضرت عمرفاروقؓ نے مقررکیا تھا۔اور حضرت عثمانؓ نے ان کواپنے دورخلافت میں اس منصب پرفائز رکھا تھا۔اورحضرت عمرؓکو حضرت ابوبکرصدیقؓ نے اپنے ارباب شوریٰ کے مشورہ سے خلیفہ نامزدکیا تھا،اورتمام مسلمانوں نے ابوبکروعمروعثمان کی خلافت کوتسلیم کیا تھا۔اور پھرحضرت علیؓ کی شہادت کے بعدتمام صحابہ واہل بیت اوربنوہاشم نے حضرت معاویہ کی خلافت کوبھی تسلیم کرلیا تھا۔لہذا درجہ بدرجہ تمام صحابہ واہلبیت کواس ظلم میں حصہ دارقراردیا جائے گا۔نعوذباللہ من ذالک۔ اوریہی بات تو آج کے شیعان علی(جودراصل شیعان علی نہیں بلکہ سبائی ہیں) کھلےلفظوں یہ پکارپکارکرکہہ رہے ہیں کہ''معاذاللہ'' دشمنانِ اسلام ابوبکروعمروعثمان اورمعاویہ نے وصی رسول اللہ''حضرت علی'' سےان کاحق خلافت چھین لیا تو ظالم اورجابرخلافتوں کاایک سلسلہ شروع ہوا جو۶۰ھ میں پورے خاندان نبوت کےقتل پرمنتج ہوا۔وہ اسی لئے تو خلفاءثلاثہ ابوبکروعمروعثمان پراورمعاویہ پرلعطعن اورتبرّاوتولیٰ کرتے ہیں اوراہل سنن''جوصحابہ اوراہل بیت دونوں سےمحبت کرتے ہیں اورعقیدت رکھتے ہیں'' کےاس موقف کوکھلے ہوئے تضاد اور نامعقولیت پرمبنی قراردیتے ہیں کیونکہ دوست کا دشمن ،دشمن ہوتا ہے دوست نہیں ہوسکتا۔لہذاعلی اوراہلبیت سےمحبت کا تقاضا یہ ہے کہ ان سےحق خلافت چھیننے والوں کودشمن قراردیا جائے۔علی وصی رسول اورخلیفۂ رسول بلافصل تھےان سے پہلے ابوبکرنے

اور پھر عمر نے پھر عثمان نے حق خلافت چھینا اور چوتھے نمبر پر اصحاب مدینہ نے انھیں خلافت تسلیم بھی کیا تو اہل مکہ واہل بصرہ وشام نے ان کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور خود عائشہ نے جنگ جمل میں باغیوں کی قیادت کی۔لہذا اہلسنت کے موقف کا کھلا تضاد یہ ہے کہ وہ عائشہ،طلحہ،زبیر اور معاویہ کو بھی رضی اللہ عنہم کہتے ہیں اور حضرت علی کو اور امام حسین وامام حسن کو بھی رضی اللہ عنہم کہتے ہیں جبکہ مسئلہ خلافت میں ان کے درمیان جمل وصفین کی دو خونریز جنگیں ہوئیں۔لیکن ہم شیعان علی جو محبین اہلبیت ہیں اور اہل بیت پر درود وسلام پڑھتے ہیں ان کے ان دشمنوں پر کھل کر لعنت کرتے ہیں۔پس ہمارا یہ موقف عدل وانصاف اور معقولیت پر مبنی ہے۔علی اور اہلبیت کا پہلو وہ اس طرح بچاتے ہیں کہ انہوں نے صدق دل سے نہیں بلکہ بطورِ تقیہ ان ظالموں اور غاصبوں کی خلافت تسلیم کیا تھا۔

اہل سنت بھائیوں کا عقیدہ

آپ حضرات کا کھلا عقیدہ یہ ہے کہ تمام صحابہ اور اہل بیت حق پر تھے اور وہ سب کے سب جنتی ہیں۔معصوم تو صرف ذات رسالت تھی۔امتی معصوم عن الخطا نہیں ہوسکتا،لہذا اجتھادی خطا تو ان میں سے کسی سے بھی ممکن ہے،لیکن دانستہ گمراہی کا راستہ اختیار نہیں کر سکتے۔ ہرگز رسول پاک ﷺ نے اپنے بعد کے لئے کسی صحابی یا اہل بیت کو اپنا وصی یا خلیفہ بلافصل نامزد نہیں کیا بلکہ امت کو قرآن دیا اور قرآن پاک صاف لفظوں میں خلافت وامارت کی بابت ایک رہنما اصول وضابطہ دیتا ہے۔﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ (الشوری:38)"مسلمانوں کا (ہر) کام آپس کے مشورے سے ہوتا ہے" اسی قرآنی رہنما اصول کے مطابق ابوبکر وعمر وعثمان کی خلافت کو ان کے ادوار میں تمام صحابہ واہلبیت نے تسلیم کیا کسی ایک فرد کو بھی ان کی خلافت تسلیم کرنے میں کوئی تأمل نہ ہوا۔

قتلِ عثمان اور خلافت علی

حضرت علی کی خلافت، ہنگامۂ قتل عثمان کے بعد ہوئی اورفوری طور پر جائے خلافت کو پُر کر دینے کی ضرورت پیش آئی تا کہ مبادا کہیں قاتلین عثمان ہی امر خلافت پر قبضہ نہ جمالیں اور پھر تمام مسلمانوں پر مظالم کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جائے۔اسی لئے مدینہ کے ''مہاجرین وانصار'' نے ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی اور اہل مکہ واہل بصرہ واہل شام کو خلیفہ کے انتخاب کے وقت مشورہ میں شامل نہ کیا جاسکا۔پھر ان دشمنان اسلام سبائیوں نے ''جنھوں نے حضرت عثمان کو ایک طویل محاصرہ کے بعد شہید کر دیا تھا۔قصاص عثمان سے بچنے اور مسلمانون کی صفوں میں انتشار ڈالنے کیلئے بڑھ بڑھ کر حضرت علی کے ہاتھ پر امارت کی بیعت کر لی' انہوں نے اپنے نعرہ بازیوں اور ہنگامہ خیزیوں سے مدینہ کے پرامن مسلمانوں کو اس قدر خوفزدہ کیا کہ حضرت ام المومنین' عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تک کیلئے مدینہ کی سرزمین پرسکون وقرار ناممکن ہو گیا اور وہ راتوں رات نکل کر مکہّ چلی گئیں' حضرت علی کے دو رفیق اور مشیران خاص حضرت طلحہ اور زبیر بھی مدینہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔حضرت عائشہ نے اپنی مکہ کی تقریر میں ان تمام حالات وواقعات کا صاف صاف تذکرہ کیا جن میں مختلف صحابہ کرام اور خود ان کو مدینہ ترک کرنا پڑا۔انہوں نے سبائی شورش پسندوں کی خوف ودہشت پھیلانے کی تمام کوششوں کو بے نقاب کیا ،اب شکوک وشبہات کا دلوں میں پیدا ہونا ایک قدرتی امر تھا۔یہ شبہات حضرت علی سے متعلق نہ تھے، ان کی صالحیت اور صلاحیت پر مسلمانوں کو پورا اعتماد تھا بلکہ ان کی سبائی مبایعین کی جانب سے تھے کہ آیا انہوں نے دل سے علی کی بیعت کو قبول کیا ہے یا صرف تخریب کاری اور عام مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانی کے مقصد سے بیعت کی ہے کیونکہ وہ قتل عثمان اور بیعت علی کے بعد بھی اپنی تخریبی کارروائیوں میں اور خوف ودہشت کی فضا عام کرنے

میں مصروف تھے اور بظاہر ایسا نظر آ رہا تھا کہ انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے بعد علی رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے نرغے میں لے لیا ہے اور وہ انکی منظّم قوت کے سامنے بالکل بے بس اور مجبور و محصور ہو کر رہ گئے۔ قاتلین عثمان کا سرگروہ مالک اشتر ننگی تلوار کے سایہ میں ایک ایک صحابی رسول کو طلب کر کے جبراً علی کی بیعت کا مطالبہ کر رہا تھا گو نام کیلئے یہ علی کی حمایت تھی لیکن در پردۂ ایک خطرناک قسم کی تخریب کاری تھی اور اسکی انتہا یہ تھی کہ طلحہ اور زبیر اور عبداللہ ابن عمر جیسے علی کے رفیقان خاص کو بیعت کیلئے طلب کیا گیا۔ طلحہ اور زبیر سے مالک اشتر نے کہا کہ فوراً امام کی بیعت کرو ورنہ تلوار کی ایک ہی ضرب سے سر کے دو ٹکڑے کر دئے جائیں گے۔ چنانچہ دونوں حضرات نے بیعت کیلئے اپنا ہاتھ بڑھا دیا لیکن عمر فاروق کے بیٹے حضرت عبد اللہ بن عمر اڑ کر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ ابھی تو بہت سے مسلمانوں کی بیعت ہونا باقی ہے جب وہ بیعت کر لیں گے تو میں بھی کر لوں گا۔ مالک اشتر نے تلوار اٹھانی چاہی تو حضرت علی نے اسے یہ کہہ کر روک دیا کہ یہ شخص طبعاً ضدی ہے اس طرح رعب سے بیعت کرنے والا نہیں۔ طلحہ اور زبیر نے مکہ جا کر بیعت توڑ دی کیونکہ وہ برضا و رغبت نہ تھی بلکہ جبراً لی گئی تھی۔

قصاص عثمان کا مطالبہ

اہل مکہ و اہل بصرہ نے مدینہ کی صورت حال کو طلحہ و زبیر اور ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زبانی سنا تو وہ شدید انتشار ذہنی و اضطراب قلبی میں مبتلا ہو گئے۔ ایک طرف حضرت علی کی خلافت پر انھیں پورا اعتماد تھا تو دوسری طرف سبائیوں کی منظّم سورش اور تخریب کاری سے سخت پریشانی اور ہیجانی کیفیت میں مبتلا ہو گئے تھے, وہ اس اندیشہ میں بالکل حق بجانب تھے کہ اگر قوت و طاقت علی کے ہاتھ میں ہے تو قصاص عثمان بھی لے لیں گے اور حالات کو بھی معمول پر لے آئیں گے۔ لیکن اگر تمام تر قوت ان قاتلین عثمان

(سبائیوں) کے منظّم گروہ کے ہاتھوں میں ہےتوان کی سورش سے نہ تو خودعلی محفوظ رہ سکیں گےاور نہ انکے مبایعین صحابہ واہل بیت۔اورعثمان کے بعد خاندان عثمان کا انجام تو کسی بھی صورت عثمان کے انجام سے مختلف نہ ہوگا۔لہذا صورت حال کی وضاحت کیلئے ان کے نزدیک اسکے سوا کوئی اورممکن صورت ہی نہ تھی کہ علی کے ہاتھ پر اپنی بیعت کوقصاص عثمان پرموقوف کردیں۔کیونکہ حضرت علی کے ہاتھ پر ایک جم غفیر بیعت کر چکا تھا،اوراگر یہ بیعت خلوص نیت اورسمع وطاعت کے جذبہ کے تحت تھی تو یہ امر چنداں دشواراوردقت طلب نہ تھا کہ ان گنتی کے ۵،۷ نفر سے ''جو براہ راست قتل عثمان میں ملوث تھے'' قصاص لے لیا جاتا۔اوراگر قاتلین عثمان کی نیت کچھ اورتھی اوروہ صرف حضرت علی کومسلمانوں کے سامنے لاکراوران کوآڑ بنا کرکوئی نیا خونی ڈرامہ کرنا چاہتے تھےتو حضرت علی ان سے قصاص لینے پرکسی صورت قادرنہیں ہوسکتے تھےاسی خیال کے پیش نظرانہوں نے قصاص عثمان کا مطالبہ کیا تھا۔یہ صرف مطالبہ قصاص نہ تھا بلکہ سبائیوں کی نیت وارادوں کوجاننے اور پرکھنے کیلئے ایک جانچ بھی تھی۔حضرت علی بھی بلوائیوں کی شورش اورانکی بدنیتی اورغلط ارادوں سے بالکل بے خبرنہ تھے۔لہذا وہ چاہتے تھے کہ جب اس پرآشوب دورمیں خلافت قبول کرنے کی ذمہ داری ان کے سر پرڈالی گئی ہےتو جس طرح ان قاتلین عثمان نے اپنی نیک نیتی اورخلوص ظاہرکرکےعلی کی بیعت کرلی ہے اسی صورت اہل مکہ واہل بصرہ واہل شام بھی بیعت کرلیں تاکہ اگر بلوائیوں کی طرف سےکوئی نئی سورش بپاہوتو صحابہ کی منظّم قوت سےاسے کچلا جاسکے۔لیکن ایسی نازک صورت حال میں مسلمانوں کیلئے کوئی قطعی فیصلہ آسان نہ تھا۔ظاہری صورتحال جوطلحہ وزبیراورعائشہ صدیقہ کی زبانی سنی گئی تھی انتہائی پریشان کن تھی بلوائی اپنی منظّم قوت اور بالادستی کا کھلا مظاہرہ کررہے تھےاورمسلمانوں کوبری طرح ہراساں کررہے تھے۔

جب اہل مکہ اوراہل بصرہ نے بیعت سے قبل قصاص عثمان کا مطالبہ کردیا تو حضرت علی کے لئے انتہائی پریشان کن صورتحال پیدا ہوگئی ایک طرف انکی اپنی مجبوری بھی تھی کہ مطالبہ بیعت سے چشم پوشی نہیں کرسکتے تھے اوردوسری طرف اہل مکہ وبصرہ اندر ہیجانی واضطرابی کیفیت کوبھی وہ پوری طرح محسوس کررہے تھے۔

''نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن''

حضرت علی نے خوداپنی رضاورغبت سے توامارت سنبھالی نہ تھی انھوں نے تومدینہ کے اصحاب رسول، مہاجرین وانصار کے اصرار پر یہ ذمہ داری قبول کی تھی کہ اسلام میں جائے خلافت کوخالی چھوڑنے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔مسلمانوں کی زندگی کا کوئی گوشہ امیروامام کی سمع وطاعت سے خالی نہ رہنا چاہئے۔پھراس بات کا بھی شدیدامکان کہ یہی قاتلین عثمان خلیفۂ سوم کوقتل کرنے کے بعد اپنے ہی میں سے کسی کوامیروامام بنا کردارالخلافۃ (مدینہ) پرقبضہ نہ کرلیں۔ایک مسلح جم غفیر کی موجودگی میں اس بات کا بھی تو موقع نہ تھا کہ اہل شام واہل مکہ وبصرہ کوانتخاب خلافت کی دعوت دی جاتی،خوداہل مدینہ بلوائیوں کی طاقت کے سامنے مجبور تھے۔اسی لئے وہ اپنے خلیفہ عثمان کی طرف سے مدافعانہ جنگ بھی نہ کرسکے۔اسی نازک صورتحال کے پیش نظرعلیؓ نے امارت کوقبول کرلیا تھا۔ورنہ وہ کہتے تھے کہ حضرت عثمانؓ کے اسطرح مظلومانہ قتل کے بعد بلاشورائیت عامہ ان کی امارت مشکوک اوراختلاف سے محفوظ نہ رہ سکے گی۔اوراسی لئے وہ قتل عثمان کے وقت باہر چلے گئے تھے۔لیکن جب اس نازک اور پرآشوب دورمیں خلافت کی ذمہ داری ان کے سپرد کی گئی اورانھوں نے اسلام اوراہل اسلام کی مصلحتوں کے پیش نظراسے قبول کرلیا تواب مسلمانوں سے سمع وطاعت کی بیعت لینا ان کے ابتدائی اوراہم ترین منصبی فرائض میں سے تھا۔دوسری طرف مدینہ کی خبر سے دوردراز علاقوں کے مسلمانوں کے دلوں میں جوخدشات پیدا ہورہے

تھےوہ بالکل قدرتی تھے۔

یعنی یہ کہ جب حضرت علی اورتمام اہل مدینہ ان ہزاروں مسلح بلوائیوں سے خلیفہ سوم کونہ بچا سکے اورانکے مقابلہ میں خودکومغلوب وکمزور پایا تواب حضرت علی کوانھیں اہل مدینہ کی بیعت سے بلوائیوں پرغلبہ کسطرح حاصل ہوسکتا ہے۔غلبہ تواسی صورت حاصل ہوسکتا ہے جب قتل عثمان کے بعد بلوائی علی کی بیعت سمع وطاعت پرصدق دل سے آمادہ ہوگئے ہوں اوراسکی آزمائش کا واحدراستہ قصاص عثمان کا مطالبہ ہوسکتا تھاورنہ قرآن کے حکم ﴿وَخُذُوا حِذْرَكُم﴾(النساء: 102) "دشمن سے اپنی احتیاط اور چوکسی کولازم پکڑو" کے مطابق دوردراز کے مسلمانوں کیلئے یہ کسی طرح لائق ومناسب ہی نہ تھا کہ بلاسمجھے بوجھے بیعت امام کےعنوان سے خودکوبلوائیوں کی مسلح قوت کے حوالہ کردیتے۔خودحضرت علی کواس مطالبہ کی صحت اوراسکے پس منظرکی معقولیت کا پوری طرح احساس بھی تھا۔لیکن وہ سردست اس پرقادرنہ تھے کہ عثمان کے قاتلوں سے قصاص دلواسکتے۔یہی مطالبہ معاویہ کا بھی تھا کہ علی قاتلین عثمان سے قصاص دلوادیں تواہل شام ان کی بیعت کوقبول کرلیں۔معاویہ کا یہ مطالبہ حضرت علی نے چارماہ کی مہلت کے ساتھ تسلیم بھی کرلیا تھا۔لیکن چارماہ بعد جب حضرت علی نے سمجھا بجھا کرقاتلوں کوقصاص کیلئے معاویہ کے حوالے بھی کرنا چاہا تو بیس ہزارسبائی شمسیر بکف ہوکرحضرت کے روبرومظاہرہ کرنے لگے"ہم سب قاتلین عثمان ہیں اگرقاتلین عثمان کومعاویہ کے حوالے کرنا ہےتوہم سب کواسکے حوالے کردو"اس مظاہرہ سے حضرت علی دم بخودرہ گئے اوراچھی طرح سمجھ لیا کہ بلامکہ وبصرہ واہل شام کی بیعت کے وہ قصاص عثمان پرقادرنہیں ہوسکتے۔ دوسری طرف قاتلین عثمان انھیں اس بات پرمجبورکررہے تھے کہ آپ ایسے لوگوں کے مطالبہ قصاص پرمطلقاً کان نہ دھریں اوراگروہ بلاقیدوشرط آپ کی بیعت نہ کریں تو آپ بہ نوک شمشیران سے بیعت کا مطالبہ کریں

،اور پہلے بیعت معاویہ اوراہل شام سے لی جائے اسلئے کہ عثمان کے ولی اقرب معاویہ ہی تھے۔اگروہ بلا قید وشرط بیعت کر لیتے ،یا مطالبہ قصاص ترک کر دیتے تو اہل مکہ واہل شام بھی بلا قید وشرط بیعت کر لیتے۔لیکن معاویہ کس طرح قصاص عثمان سے دستبردار ہو سکتے تھے اگر معاملہ تنہا ان کی اپنی بیعت کا ہوتا تو یہ ممکن بھی تھا کہ وہ ایسا کرتے لیکن ان بلوائیوں نے تو دیدہ ودانستہ صورتحال کواس درجہ قابو سے باہر کر دیا تھااوراہل شام کے جذباتِ انتقام کواس قدر برانگیختہ کر دیا تھا کہ ایسا کرنا خود معاویہ کے قدرت واختیار سے بھی باہر تھا۔جسطرح قاتلوں سے قصاص لینا علی کے اختیار سے باہر تھا۔بھلا یہ خون آلود قمیص عثمان اور بی بی نائلہ کا کٹا ہوا ہاتھ مدینہ سے شام کس طرح پہنچ گیا؟ کہ اسے جب اہل شام نے دیکھا تو کہرام مچ گیا؟ وہاں کے علماءاور مشائخ نے قسم کھائی کہ جب تک خلیفہ مظلوم کے قاتلوں سے انتقام نہ لے لیں گے نہ راتوں کو بستر پر سوئیں گے نہ زینت اور خوشبو کا استعمال کریں گے۔مظلوم خلیفہ کی تجہیز وتکفین تو حضرت علی کی خلافت میں ان کے تحت امر ہوئی تھی۔پھر خلیفہ کی خون آلود قمیص اور بیوی نائلہ کا کٹا ہوا ہاتھ کس نے اور کس مصلحت کے پیش نظر شام پہنچایا تھا؟ کیا کوئی شام سے مدینہ آیا تھا جو اپنے ساتھ قمیص عثمان اور نائلہ کا ہاتھ لے گیا؟ نہیں بلکہ یہ انھیں ظالم سبائیوں کی شرانگیزی تھی جو ایک طرف حضرت علی کو معاویہ واہل شام سے بہ نوک شمشیر بیعت لینے پر آمادہ کر رہے تھے تو دوسری طرف اہل شام کو قصاص عثمان کیلئے بھڑکا رہے تھے۔

جنگِ جمل

اب مکہ وبصرہ چونکہ شام کی بہ نسبت مدینہ سے زیادہ قریب تھے اور اندیشہ تھا کہ اگر شام کی طرف پہلے پیش قدمی کی گئی تو وہ معرکہ زیادہ سخت اور خونریز ہوگا اور اس دوران اس بات کا بھی احتمال تھا کہ اہل مکہ وبصرہ کہیں دارالخلافہ مدینہ پر قبضہ نہ کر لیں لہذا مناسب

یہی سمجھا گیا کہ شام سے پہلے بصرہ کی طرف پیش قدمی کی جائے۔حضرت ام المومنین رسول ﷺ کی انتہائی محبوب اور قابل اعتماد بیوی تھیں وہ بھی بصرہ پہنچ چکی تھیں۔ظاہر ہے کہ صحابہ کرام ناموس رسالت کیلئے اپنے خون کا آخری قطرہ بہانے سے دریغ نہیں کر سکتے تھے۔خدانخواستہ اگرام المومنین اس معرکہ میں قتل ہوگئی ہوتیں یا شدید زخمی ہوجاتیں تو مسلمانوں کے جذبات کوروکے تھامے رہنا ممکن نہ ہوسکتا۔چنانچہ اسی خیال کے پیش نظر حضرت علی نے اپنا ایک قابل اعتماد قاصد حضرت عائشہ اور حضرت طلحہ وزبیر کی خدمت میں روانہ کردیا'اسنے پہلے مائی عائشہ کی خدمت میں حاضری دی اور دریافت کیا:''امی جان آپ یہاں کس مقصد سے تشریف فرما ہوئیں''؟ مائی جان نے جواب دیا:''بیٹے مسلمانوں میں بیچ بچاؤ اور اصلاح کی غرض سے حاضر ہوئی ہوں''پھر قاصد نے طلحہ وزبیر سے ملاقات کی اور دونوں حضرات کو اس بات پر رضامند کرلیا کہ وہ سردست مطالبہ قصاص عثمان کو ترک کردیں گے اور حضرت علی سے بات چیت کرکے بیعت قبول کرلیں گے۔اس وقت حضرت علی کوفہ پہنچ چکے تھے اس دوران عبداللہ بن سباء یہودی جو بظاہر اسلام قبول کر چکا تھا اور جس نے سرزمین عرب کے تمام صوبوں (صوبہ شام کے علاوہ) اسلامی خلافت کے نظام کو درہم برہم کرنے اور مسلمانون کو آپس میں ٹکرا ٹکرا کر کے ختم کرنے کا منصوبہ پھیلا دیا تھا۔بذات خود کوفہ میں موجود تھا اسنے اپنے گروہ کے سرکردہ لوگوں کی ایک خفیہ میٹنگ کی اور کہا کہ اگر طلحہ اور زبیر اور علی کے حامیوں (شیعان علی) کے مابین یہ نزاع ختم ہوگئی اور انکی آپس میں صلح طے ہوگئی تو ہماری خیر نہیں۔لہذا ہمیں چاہئے کہ (شیعان علی) سے ہم اپنی رفاقت اور دوستی پوری طرح نبھائے رکھیں اور بظاہر کسی امر میں ان کی کھل کر مخالفت نہ کریں لیکن کل جب علی اور انکے ساتھی بصرہ صلح کی بات چیت کرنے جائیں تو رات کے پچھلے پہر ہم لوگ بصرہ کی سرحد پر ایک زوردار حملہ کردیں اور شور مچائیں کہ بصرہ کی فوج نے کوفہ

کے اندر داخل ہوکر ہم پر اچانک حملہ کر دیا جس کو ہم نے بالکل پسپا کر دیا اور حملہ آوروں کو ان کی سرحد میں واپس دھکیل دیا اور سرحد ہی سے ہمارا ایک شخص جا کر علی کی مجلس میں ان سے کچھ فاصلہ پر جا بیٹھے اور جب وہ شور و ہنگامہ سن کر دریافت کریں کہ کیا معاملہ ہے تو وہ ان کو ہمارے منصوبے کے مطابق آگاہی دے کہ بصرہ کی فوج نے کوفہ کے اندر داخل ہوکر ہم پے اچانک حملہ کر دیا جسے ہم نے سرحد تک پسپا کر دیا۔اور حملہ آوروں کو سرحد کے اندر دھکیل دیا اور جب بصرہ کی سرحدی چوکی والوں نے ہم پر پلٹ کر دوبارہ جوابی حملہ کیا تو ہمارے ساتھی رات کی تاریکی میں منتشر ہوگئے اور مجھے واپس جانے کا موقع اور راستہ نہ مل سکا تو میں یہاں آپ کی مجلس میں آ بیٹھا اور جب طلحہ وزبیر کو اس شور و ہنگامہ کی آواز سنائی دے گی اور ان سے لوگ کہیں گے کہ کوفہ والوں نے بلا کسی اشتعال کے ہم پر حملہ کر دیا ہے تو علی اور طلحہ وزبیر اور ان کے حامیوں کے مابین اعتماد خود بخود ختم ہوجائے گا اور جنگ کی آگ بھڑک اٹھے گی اور جسکا حامی اور ساتھی ہے اس کی حمایت میں لڑنے کیلئے اٹھ کھڑا ہوگا اور صلح کی بات چیت اور اسکا امکان ختم ہوجائے گا۔

حضرت علی قاصد کے اس پیغام سے بہت خوش اور مطمئن ہوئے تھے اور انھوں نے اعلان کیا تھا کہ کل ہمارے ساتھ مصالحت کی بات چیت کے سلسلے میں ایسے دو اشخاص ہرگز نہیں جائیں گے جو کم عقل جذباتی اور ہنگامہ پسند ہیں۔انہوں نے صلح کی بات چیت میں شرکت کیلئے اپنے اعتماد کے لوگوں کو چن لیا تھا ان کے اسی اعلان سے سبائیوں کا ماتھا ٹھنکا تھا کہ مصالحت اگر واقع ہوئی تو ہماری خیر نہیں۔علی بہر حال خلیفۂ مظلوم کا قصاص لے کر رہیں گے اور پھر ہماری قیل وقال کوئی سننے والا نہ ہوگا۔اسلئے انہوں نے عین اسوقت کہ جب بات چیت بڑے خوشگوار ماحول میں جاری تھی اور دونوں فریق سفیر کے ذریعہ صلح کی بات چیت کو آگے بڑھاتے جارہے تھے اور جب اس بات کے نمایاں آثار پائے جارہے

تھے کہ ام المومنین عائشہ اورطلحہ وزبیراوراہل بصرہ قصاص عثمان سے قبل علی کی بیعت پررضامندہوجائیں گے۔اچانک رات کے پچھلے پہرشوراور ہنگامہ اورجنگی نعروں کی آوازگونجی۔طلحہ اورزبیرنے دریافت کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ توجواب دیا گیا کہ ابھی کوفہ کی فوج نے بصرہ کی سرحد پرحملہ کردیا ہےتوانہوں نے''اناللہ'' کہااورکہا کہ علی مسلمانوں کے مابین خونریزی کراکے ہی دم لیں گے۔اسی طرح جب علی نے یہ شوروہنگامہ سنا تو دریافت کیا کہ کیا بات ہے؟ پھرجب اس شخص نے جسے ایک سازش کے تحت انکے پاس بھیجا گیا تھا انہیں خبردی کہ بصرہ کی فوج نے رات کواچانک حملہ کردیا تو حضرت علی نے''اناللہ'' کہااورکہا کہ طلحہ وزبیرمسلمانوں میں خونریزی کراکے ہی دم لیں گے۔چنانچہ اسی وقت ہردوفریق کے مابین انتہائی خونریزجنگ بھڑک اٹھی ۔حضرت عائشہ ہودج میں بیٹھی اونٹ پرسوارتھیں اورانکے اونٹ کے گردمسلمانوں کے لاشوں کے انبارلگ گئے تھے۔دشمنان اسلام کوکبارصحابہ کوچن چن کرقتل کرنے کا موقعہ مل گیا ۔انہوں نے خاص طورپرایسے ہی افرادکونشانہ بنایاجن کے بارے میں یہ بات مشہورتھی کہ رسول پاک ﷺ کوان سے خاص وابستگی تھی یا آپ ﷺ نے انھیں دنیاہی میں جنت کی بشارت دی ہے۔چنانچہ طلحہ اورزبیربھی شہیدکردئے گئے ۔اوردس ہزارمسلمان جس میں بڑے بڑےجلیل القدراصحاب رسول تھے اس جنگ میں کام آگئے لیکن جنگ کی شدت کم ہوتی نظرنہیں آرہی تھی،ام المومنین عائشہ نے بھی گویا تہیہ کرلیا تھا کہ وہ بھی خلیفۂ مظلوم کے قاتلوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش کرکے ہی دم لیں گی ۔لہذا وہ میدان جنگ میں ڈٹی رہیں اوراصحاب رسول پروانوں کی طرح انکے ہودج کے قریب اپنی جانیں قربان کرتے رہے۔حضرت علی نے حالات کی سنگینی کا اندازہ کرلیا۔نیزانہوں نےمحسوس کیا کہ اگرام المومنین درمیان سے علیحدہ نہ ہوئیں توصورتحال اورابترہوجائے گی ۔لہذاانہوں نے اپنے ایک سپاہی کوحکم دیا کہ جاکرام

المومنین کے اونٹ کا اگلا داہنا قدم کاٹ دے۔چنانچہ جب قدم کاٹ دیا گیا اوراونٹ لڑکھڑا کر بیٹھ گیا تو ہودج ایک جانب جھک کرزمین پر ٹک گیا۔فوراً ہودج سنبھالا گیا اورعلی نے پہنچ کرمعذرت کے انداز میں پوچھا کہ آپ کو چوٹ تو نہیں لگی؟ پھر کہا مائی جان میں اللہ کا واسطہ دیکرآپ سے درخواست کررہا ہوں کہ آپ میدان جنگ سے باہر چلیں یہ آپ کی جگہ نہیں۔ مجھے مسلمانوں نے خلافت کی ذمہ داری سونپی ہے لہذا مجھے اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے دیں آپ کے لئے میدان جنگ سے باہر میں نے ایک بالکل محفوظ مقام کا انتظام کرلیا ہے آپ وہیں قیام کریں۔چنانچہ ام المومنین حضرت علی کے سمجھانے بجھانے سے میدان جنگ سے ہٹ گئیں۔دشمنان اسلام نے انکے ہودج پراتنے تیر برسائے تھے کہ پورا ہودج ایک بڑی ساہی معلوم ہوتا تھاجسنے اپنے جسم کے کانٹے پھیلا لئے ہوں۔

حضرت حسن طلحہ کی لاش دیکھ کررو پڑے اورانکے ہاتھوں کا بوسہ لے لے کرفرماتے'اباجان!دیکھئے میں نے آپ کوروکا تھا کہ بصرہ پرلشکرکشی نہ کیجئے۔لیجئے یہ طلحہ کی لاش ہے جنکو آنحضرت ﷺ نے جنتی اورانکے قاتل کوجہنمی قرار دیا ہے۔حضرت علی پر بھی رقت طاری ہوگئی اورفرمایا کہ کاش کہ میں آج سے بیس برس پہلے مرچکا ہوتا اب تو جوہونا تھا وہ ہوچکا۔مقتولین کی نماز جنازہ پڑھی گئی اورانکی تدفین ہوئی۔اوراہل بصرہ نے شکست کھاکرعلی کی بیعت کرلی۔

جنگ صفین

اس کے بعداہل شام سے جنگ ہوئی تھی۔حضرت علی حتی الإمکان اس جنگ سے بھی بچنا چاہتے تھے۔ایک وفد مصالحت کیلئے معاویہ کے پاس بھیج دیا،اس وفد کی قیادت سوء اتفاق سے ایک انتہائی سخت گواورجنگ پسند فرد کے حصہ میں آئی ،اسنے مصالحانہ اندازاختیارکرنے کے بجائے نہایت تیزوتنداوردھمکی آمیزلہجہ میں معاویہ سے

گفتگو کی۔جس پر معاویہ کو سخت غصہ آیا اور کہا تو صلح کی بات کرنے نہیں بلکہ مجھے جنگ کی دھمکی دینے آیا ہے اور ہم جنگ سے ڈرنے والے نہیں۔ہماری تلواریں قاتلین عثمان کی گردن تک پہنچ کر رہیں گی۔اس نے واپس ہو کر علی کو معاویہ کے خلاف بھڑکایا کہ وہ آپکو قاتل عثمان سمجھتے ہیں اور آپ سے انکے خون کا انتقام لینا چاہتے ہیں۔حضرت علی کو معاویہ کی یہ بات سخت ناپسند ہوئی۔انہوں نے شام کی طرف فوج کشی کی۔معاویہ کی فوج بھی آگے بڑھی۔صفین کے مقام پر دونوں فوجوں میں گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی۔ابتدائی دو تین دنوں میں معاویہ کا پلہ بھاری رہا پھر اسکے بعد ان کی فوج کی پسپائی کے آثار ظاہر ہوئے۔اس جنگ میں دونوں طرف سے نوے ہزار مسلمان مارے گئے۔ایسا لگتا تھا کہ اسلام کا پورا قافلہ ہی اب دنیا سے رخصت ہونے والا ہے۔

معاویہ کی طرف سے نیزوں پر قرآن اٹھا کر آواز دی گئی کہ اللہ کی آخری کتاب قرآن ہمارے درمیان موجود ہے اسے حکم مان کر مسلمان آپس میں صلح کر لیں اور قتال سے باز آجائیں۔علی نے کہا بھائیو! یہ معاویہ کی چال ہے۔اب جنگ روکنے سے کیا حاصل۔جو ہونا تھا ہو چکا۔تھوڑی دیر میں میدان جنگ میں فیصلہ ہونے والا ہے لہذا دھوکہ نہ کھاؤ اور جنگ جاری رکھو۔سبائیوں نے سوچا کہ اگر میدان جنگ میں فیصلہ ہو گیا تو وہ معاویہ کی شکست اور علی کی فتح کا فیصلہ ہوگا۔اہل بصرہ کی طرح اہل شام بھی شکست کھا کر علی کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں گے اور پھر علی مسلمانوں کو اپنے جھنڈے تلے منظّم و متحد کر کے تخریبی عناصر کی سرکوبی کی طرف متوجہ ہوں گے۔اور اب اتنی بڑی دو خونریز جنگوں کے بعد سبائیوں کی سرکوبی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جائیگا۔لہذا عراق والوں نے حضرت علی کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔انھوں نے کہا اے علی! قرآن کی دعوت کو رد نہیں کیا جاسکتا' اگر تم نے فوراً جنگ بندی قبول نہ کی تو ہم تمہاری مشکیں کسکر' نیزے کی نوک پر معاویہ

کی طرف دھکیل دیں گے‘یا پھرتم کواسی طرح قتل کردیں گے جیسے ہم نے عثمان کوقتل کیا ہے‘حضرت علی نے مالک اشتر کے پاس اپنا قاصد بھیجا کہ جنگ روک دے۔لیکن اسنے قاصد کی پرواہ نہ کرتے ہوئے فوج کوللکاراورقاصد سے کہا کہ یہ وہ وقت نہیں ہے جس میں جنگ روکی جائے فیصلہ ہونے ہی والا ہے ۔بلوائیوں نے مالک اشتر کی للکارسن کر پھرعلی پراپنی برہمی کااظہارکیااورکہا کہ ایسا لگتا ہے کہ آپ نے ہماری فرمائش پرقاصدکوبھیجادیالیکن مالک اشترکودرپردہ ہدایت کردی کہ وہ جنگ کوجاری رکھے۔دیکھئے اگرجنگ فوراًبندنہیں ہوتی ہےتوہم آپ کوپکڑکرمعاویہ کےحوالےکردیں گے یابری طرح قتل کردیں گے۔حضرت علی نے قاصدکودوبارہ ڈانٹ کرکہا کہ جاؤمالک اشترکوکہوفوراًجنگ بندکردے اورواپس آجائے کیونکہ اب فتنہ خود ہمارے گھرمیں برپا ہوچکا ہے۔جنگ اپنے انجام کوپہنچ کربھی بےنتیجہ رہی۔اوروہ دشواروپیچیدہ صورتحال جوجنگ سےقبل تھی ایک لاکھ مسلمانوں کےقتل کے بعدبھی جوں کی توں قائم وباقی رہی۔

حضرت علی بالکل دل برداشتہ ہوچکے تھے‘بلکہ ان دشمنان اسلام کی ناپاک سازشوں کی وجہ سے ان کی کمرہمت توڑچکی تھی۔کبھی حسرت سے وہ معاویہ کی قلیل‘لیکن وفادارفوج کا تذکرہ کرتے اورساتھ ہی اپنے بے وفاسبائی مبایعین پرکف افسوس ملتے اورفرماتے کہ اگرمعاویہ جیسی وفادارفوج مجھے میسرآتی تومیں بہت ہی قلیل تعداد کے ساتھ غالب آجاتااورکبھی اس بات کی تمنا کرتے کہ کب میری زندگی میں وہ مبارک دن آئے گا کہ مجھے خلافت کے اس ناقابل برداشت بوجھ سے نجات میسرہوگی کیونکہ اس نازک اور پرآشوب دورمیں وہ بارخلافت اٹھانے ہی پررضامندنہ ہورہے تھے اورلوگوں کے زوردینے سے ہوئے بھی توفتنہ سبائیت نے انھیں بالکل مجبورکردیا۔محصوراوربےدست وپا کرکے رکھ دیا اورپانچ سالہ دورخلافت میں اسلامی فتوحات تودورکی بات تھی داخلی

انتشاراورخانہ جنگی ہی سے فرصت نہ مل سکی۔صلح کی تمام کوششیں ایک ایک کرکے ناکام بنائی گئیں اوران کے نہ چاہنے کے باوجود ہرموقع پر جنگ کی آگ بھڑکائی گئی اور بے دریغ مسلمانوں کا خون بہایا گیا جب جنگ نہ چاہی تو جنگ پر مجبور کئے گئے اور جنگ کی صعوبت جھیل کر جیتنے کی حیثیت میں ہوئے تو جنگ بندی پر مجبور کردئے گئے۔

اورایسا لگتا تھا کہ طلحہ وزبیراورعائشہ صدیقہ کے چشم دید بیانِ واقعات سے اہل کوفہ وبصرہ واہل شام سبائیوں کے بیعت کی اس حقیقت کو پہلے ہی اچھی طرح سمجھ چکے تھے اورجان چکے تھے کہ عثمان کے بعدعلی بھی سبائیوں کے نرغے میں آچکے ہیں اورجلد یا بدیران کا بھی وہی انجام ہونے والا ہے جوخلیفۂ سوم کا ہوا،انکا یہ اندیشہ اپنی جگہ بالکل درست ثابت ہوا۔سبائیہ مسلمان نہ تھے بلکہ یہ یہود کی سازشی ایجنسی تھی جسکا کام ہی اسلام کے نظام خلافت کودرہم برہم کرنا اورایک کودوسرے سے ٹکرانا تھاوہ نہ اہل بیت نہ بنوہاشم کے دوست تھے اورنہ بنوامیہ کے۔دونوں ہی کے غلبہ اورسرداری کو یہودونصاریٰ کے لئے مستقل خطرہ سمجھتے تھے۔حضرت عمر کے دورخلافت میں یہودونصاریٰ کوانتہائی ذلت آمیزشکست سے دوچارہونا پڑاتھا۔اورایسا نظرآرہا تھا کہ دوسراکوئی اورفاروق پیدا ہوگیا توپوری دنیا سے کفروباطل کا نام ونشان مٹ جائے گا۔لہذاقوم یہودکوجسکی اسلام دشمنی تمام کافرومشرک اقوام سے بڑھ چڑھکر ہے۔اپنی بقاصرف نظام اسلام کودرہم برہم کرنے اورخلفاءاورامراء کوایک ایک کرکےقتل کرنے اوراہل اسلام کے مابین طبقاتی نفرت وعداوت پھیلانے ہی میں نظرآئی اورانہوں نے خلافت عثمان کی ابتداء ہی سے اپنی منظّم سازشوں کا جال پھیلانا شروع کردیا۔سیدنا ابوبکرجنکی مدت خلافت صرف دوسال پانچ ماہ تھی انہیں کواپنے بسترپرطبعی موت نصیب ہوسکی انکے بعد عمرؓعثمانؓوعلی وحسن وحسین اورانکے ساتھ پوراخاندان نبوت چن چن کرقتل کردیا گیا۔قاتل گوبظاہرمسلمان تھےمگرہرگزمسلمان نہ

تھے۔مسلمان،مسلمان کا عمداً قاتل نہیں ہوسکتا اوران تمام خلفاء وامراء اورائمہ کا قاتل تاریخ کے گہرے اورغیر جانبدارانہ مطالعہ کی روشنی میں ایک ہی سلسلہ کی مختلف کڑیاں نظرآتا ہے۔گوتاریخی اخبارو آثار کی بھی ایک حیثیت ہے جس سے انکارنہیں کیاجاسکتا ہے لیکن ان اخبار کا درجہ ایک مومن ومسلم کی نظر میں ان اخبارو آثار کے بعد ہے جوقرآن وسنت میں موجود ہے۔مثلاً اگرقرآن پاک ہمیں یہ خبر دیتا ہے کہ محمد رسول اللہ اوروہ لوگ جو بحالت ایمان ان کے ساتھی بنے وہ کافروں پرسخت اورآپس میں رحمدل ہیں اور یہ کہ اللہ ان سب سے راضی ہوااوروہ اللہ سے راضی ہوئے اور یہ کہ اللہ انھیں اپنی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہونگی۔وغیرہ ذالک تو کیاممکن ہے کہ قرآن مجید میں دی ہوئی یہ خبریں آئندہ چلکر غلط ثابت ہوں اورجن کی سرشت اورفطرت قرآن نے یہ بیان فرمائی ہوکہ کافروں پرسخت اوراہل ایمان پرانتہائی نرم ہیں وہی قوم آئندہ چندسالوں کے بعدآپس میں ایک دوسرے کےخون کی پیاسی اوردشمن بن جائے اورجن کیلئے اللہ نے اپنی رضا اورجنت کی بشارت اسی دنیا میں دیدی انکا انجام اسکی رضاکے بجائے اسکی ناراضی وبے زاری اورجنت کے بجائے جہنم ٹھہرے ۔ایسی صورت میں تونعوذباللہ علم الٰہی ہی غلط ہوجائے گا۔لیکن سبائی لعینوں کوقرآ ن کریم اوراسکی خبروں سے کیا واسطہ، وہ تواسلام واخلاق ودین ہرچیز کے دشمن تھے انھوں نے ایک طرف تو موضوع ومن گھڑت روایات شیعان علی میں پھیلائیں تو دوسری طرف انکی کتب عقائد میں مسئلہ ’’بــــــــــدأ ‘‘ داخل کردیا۔تاکہ اہل ایمان صحابہ کے متعلق قرآنی اخبارات سے مسلمانوں کی توجہ کوپھیراجاسکے۔

’’بدأ ‘‘ کےمعنیٰ ظَہر کے ہیں یعنی (ظهر فی علم الله مالم يكن في علمه قبــل)" اللہ کےعلم میں وہ بات آئی جوحادثہ کےظہور سےقبل نہ تھی‘لہذ اصحابہ اورقرآن کی

حفاظت کے متعلق جو کچھ اسنے قبل از وقت خبر دی تھی کہ صحابہ مہاجرین وانصار سب کے سب اللہ کی رضا اور جنت کے سزاوار ہوئے اور یہ کہ قرآن کریم کی ہم ہمیشہ حفاظت کریں گے۔ نیز یہ کہ اس میں باطل کی آزمائش نہیں ہوسکتی اور یہ رب عزیز وحمید کی تنزیل ہے یہ ساری باتیں آئندہ حالات وواقعات کی روشنی میں گویا نعوذ باللہ غلط اور بے بنیاد ثابت ہوئیں۔ اسلئے کہ سبائیت کے عقیدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ آئندہ پیش آنے والے واقعات وحوادثات کو انکے پیش آنے سے قبل نہیں جانتا۔ اسی کو مسئلہ ''بدأ'' کہتے ہیں۔ جو شیعہ کتب عقائد میں اسی طرح موجود ہے۔ چنانچہ سبائیت زدہ شیعت موجودہ تیس پاروں والے قرآن کو بھی قرآن منزل نہیں بلکہ بیاض عثمانی قرار دیتی ہے۔ کتب شیعہ میں سبائیوں نے یہ روایت بھی درج کردی ہے کہ وہ قرآن جو محمد رسول اللہ پر نازل ہوا چالیس پاروں پر مشتمل تھا۔ اللہ کے دشمنوں ابوبکر وعمر وعثمان نے اسمیں دس پارے حذف کردئے جو علی کی فضیلت میں تھے۔ اصل قرآن کا ایک نسخہ اہل بیت کے یہاں محفوظ تھا جسکو حضرت امام حسن عسکری جو آئندہ مہدی زماں بنکر ظاہر ہوں گے لے کر غار ''سرّ من رأی'' یا سامرہ میں روپوش ہوگئے ۔ وہ قرآن لے کر اس وقت ظاہر ہوں گے جب ۳۱۳ شیعہ ایماندار دنیا میں موجود ہوں گے گویا اب تک دنیا میں اتنی تعداد میں ایماندار شیعہ بھے وجود پذیر نہ ہوسکے۔ دراصل یہ اور ایسی واہی روایات شیعیت پر بھی ایک ضرب کاری ہے۔ اگر موجودہ قرآن کو منزل قرآن تسلیم کریں تو تمام صحابہ کرام اور کاتب وحی معاویہ کو ''رضی اللہ عنہ'' کہنا پڑیگا اور پھر تبرّا وتولّی کا دروازہ ہمیشہ کیلئے بند ہوجائیگا' اور پھر سبائیت کو اپنی شیطنیت کی پردہ پوشی کا موقع نہ مل سکے گا۔

عقدِ تحکیم

جنگ کے اختتام کے بعد معاویہ اور علی کے مابین معاہدہ تحکیم عمل میں آیا اس

تاریخی دستاویز صلح پر فریقین نے دستخط کردئے اور اسمیں فریقین اور انکے ساتھیوں کو مومنین ومسلمین تسلیم کیا گیا۔جیسا کہ دوران جنگ فریقین ایک دوسرے کو مومن ومسلم تسلیم کرتے تھے۔معاویہ کی جانب سے صلح کی بات چیت کرنے کیلئے عمرو بن العاص کو نمائندہ نامزد کیا گیا علی چاہتے تھے کہ ان کی جانب سے عبداللہ بن عباس کو نمائندہ مقرر کیا جائے لیکن سبائی جو ہر سنجیدہ کام بگاڑنے پر تلے ہوئے تھے اس بات پر مصر تھے کہ ان کی جانب سے نمائندہ ابوموسی اشعری کو مقرر کیا جائے۔علی نے فرمایا بھائیو!ابوموسی اشعری تو مجھے اس جنگ میں حق بجانب ہی نہیں تسلیم کرتے ہیں وہ تو اس جنگ کو فتنہ عمیاء وصماء اندھا و بہرا فتنہ قرار دیتے ہیں تو وہ میری نمائندگی کا حق کیسے ادا کریں گے۔علی نے کہا بھائیو!میں تمہارا امیر تھا اور تم نے اب تک کوئی بات میری نہیں مانی۔اب یہ آخری بات مان لو کہ ہماری نمائندگی کا حق ابوموسی اشعری ادانہیں کر سکتے لہذا ابن عباس کو نمائندہ نامزد کرو'انہوں نے کہا ہرگز نہیں ہماری نمائندگی ابوموسی اشعری ہی کریں گے۔علی خاموش ہوگئے اور ابوموسیٰ کو علی کا نمائندہ نامزد کیا گیا ابوموسیٰ نے اپنے طور پر علی کو معزول کردیا اور چاہا کہ عمرو ابن العاص معاویہ کو معزول کر کے ازسرنو خلیفہ کے انتخاب کی شکل پیدا کریں،لیکن عمرو بن العاص نے کہا کہ آپ نے اپنے طور پر علی کو معزول کر کے اختلاف کو ختم کردیا ہے۔خلیفہ سوم کا مظلومانہ قتل اور انکا قصاص نہ لیا جانا دونوں فریق کے مابین وجہ نزاع تھا۔بنوہاشم میں علی سے بڑھکر دوسرا کون ذی اثر شخص ملے گا جو خون عثمان کا قصاص معاویہ کو دلوا سکے،لیکن جب علی نہ کر سکے تو دوسرا کون کر سکے گا۔اب دوسرے فریق معاویہ ہیں جو عثمان کے ولی اقرب ہیں وہ قصاص لینا چاہیں تو قصاص لیں' معاف کرنا چاہیں تو معاف بھی کر سکتے ہیں انھیں شرعا دونوں باتوں کا اختیار ہے،اختلاف کے ایک فریق کو آپ نے معزول کردیا اب دوسرا فریق ہے جسے قصاص لینے یا معاف کردینے کا حق حاصل ہے۔لہذا معاملہ اسی کے سپرد کردینا

زیادہ قرینِ مصلحت ہوگا بہ نسبت اسکے کہ اسے بھی معزول کر کے کیسی تیسرے کا انتخاب کیا جائے پھر وہ تیسرا بھی تو قریش کے انھیں دونوں بڑے خاندانوں میں سے کسی ایک خاندان کا فرد ہوگا۔بنوامیہ میں معاویہ سے بہتر اور بنوہاشم میں علی سے بہتر شخص کہاں سے تلاش کیا جاسکے گا ؟لہذا آپ نے تو علی کو معزول کر دیا اور میں معاویہ کو باقی رکھتا ہوں ۔ابوموسی اشعری بہت جزبز ہوئے اور اپنی عجلت پسندی پر شرمندہ ونادم بھی ہوئے۔عقد تحکیم میں بازی ہار کر گھر بیٹھ رہے اور شرمندگی سے ایک مدّت تک علی سے ملاقات نہ کی ۔علی اور شیعان علی تو معاملہ کو ایک رخ پر ہوتے ہوئے دیکھ کر خاموش رہے لیکن بد بخت سبائیہ نے دوبارہ مسلمانوں کے درمیان شورش واختلاف برپا کرنے کے لئے معاویہ وعمروبن العاص اور علی تینوں کے خلاف شوروہنگامہ برپا کیا ۔معاویہ اور عمروبن العاص پر بدعہدی کا الزام عائد کیا اور علی کو انکے ساتھ صلح کرنے کے الزام میں کافر قرار دیا۔

ظہورخوارج

حضرت علی کے نام نہاد حامیوں میں سے ایک جماعت نے کھل کر انکے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا انکا نعرہ تھا:﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ﴾ (الأنعام:57) ''حکم اور فیصلہ تو بس اللہ کا ہے''۔ان کے نزدیک اللہ کا فیصلہ جو اسکی کتاب میں موجود ہے یہ تھا﴿وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِن فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾(الحجرات:٩)

''اگر مومنوں کے دوگروہ آپس میں لڑ پڑیں تو انکے درمیان مصالحت کرادو اور اگر ایک گروہ دوسرے پر بغاوت کرے تو باغی گروہ سے اس اسوقت تک قتال جاری رکھو

تاوقتیکہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے۔یعنی ترک بغاوت کر کے سمع وطاعت کا راستہ اختیار کرے''۔

یہ لوگ معاویہ اوران کے ساتھی گروہ کواوراسی طرح عائشہ اورطلحہ وزبیر کے گروہ کو باغی قرار دیتے تھے حالانکہ ان میں سے کوئی ایک بھی اصلاً علی کی بیعت خلافت کا منکر نہ تھا، اوررہی قصاصِ عثمان کے مطالبہ کی شرط ،تو وہ خلیفہ سوم کے باغیوں (سبائیوں) سے تحفظ کے لئے تھی اورقرآن پاک کے دئے ہوئے حق کے عین مطابق تھی ﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوماً فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَاناً ﴾(الإسراء:33) "جوشخص مظلوماً قتل کیا جائے تو ہم نے اس کے ولی کے لئے قاتل پرغلبہ کا حق رکھا ہے۔''

مصالحت کی گفتگو میں عمرو بن العاص نے باقاعدہ یہی آیت ابوموسیٰ اشعری کے سامنے پیش کی تھی۔اوراللہ تعالیٰ کی کتاب کے حکم ماننے کا تقاضا یہی تھا کہ کہ جومسلمان بیعت سے علیحدہ تھے وہ بیعت کرتے اور جسے قاتل پراللہ نے غلبہ کا حق دیا تھا اس کا مطالبہ قصاص پورا کیا جاتا۔ پھراصحاب جمل تو قصاص سے پہلے ہی بیعت کے لئے علی کے ساتھ بات چیت پر رضامند ہوگئے تھے۔اورعلی نے معاویہ سے قبلِ بیعت چار ماہ کی مدت میں قاتلین سے قصاص دلوانے کا وعدہ بھی کرلیا تھا۔اوراس مدت کے دوران حالات بالکل پرسکون تھے۔لیکن دونوں جگہ صلح ومصالحت اورانعقاد بیت کی راہ میں سبائیوں نے ہی روڑے اٹکائے۔لہذا حضرت علی اوران کے حامیوں (شیعان علی) کے خلاف خوارج کا الزام بالکل بے بنیادتھا کہ انھوں نے قرآن کے بالکل واضح اورمتعین حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس کے خلاف عقد تحکیم کوقبول کیا ہے۔ یہ کس طرح ممکن تھا کہ جمل اورصفین میں طرفین سے ایک لاکھ مسلمانوں کے قتل کے بعد قرآنی حکم کے برخلاف علی کس طرح ثالثی قبول کریں۔یاوہ اوران کے ساتھی صحابہ واہل بیت کسی ناحق بات پرخاموش رہیں بلکہ الٹے

رضامند ہوجائیں۔اگرابوموسیٰ اورعمروبن العاص کی گفتگو میں ایسی کوئی دھاندلی واقع ہوئی ہوتی تو فوراًدوبارہ جنگ بھڑک اٹھتی اور جنگ کے اختتام کے وقت چونکہ غلبہ علی کی فوج کو حاصل تھا۔لہذا جنگ میں بھی انھیں کامیابی متوقع تھی ،لیکن کمزور فریق کی جانب سے مصالحت کی بات چیت میں کھلی دھاندلی اورطاقتورفریق کی جانب سےصبراورخاموشی بالکل ناقابل فہم بات ہے۔دراصل تاریخ نویس یا تاریخ کا مطالعہ کرنے والا اگر پہلے سے ہی صحابہ کواہل بیت کا دشمن مان لےاوران کوقرآنی تصریحات ﴿رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ (الفتح:۲۹) ''آپس میں ایک دوسرے پرنہایت مہربان'' ﴿أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ﴾(المائدۃ:54)"ایل ایمان کے مقابل خودکوہیچ سمجھنے والے'' ﴿رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُمْ ﴾(المائدۃ:۱۱۹) 'اللہان سے راضی ہواوروہ اللہ سے راضی ہوئے'' کے مطابق بالکل پکا سچااورکامل مومن ومسلم تسلیم نہ کرے تو تاریخی واقعات کوبھی وہ گھما پھرا کرغلط معانی نکالنے کی کوشش کریگا۔صحابہ واہلبیت سے باہر تابعین میں سے ایک بہت بڑا منظّم گروہ سبائیوں کا تھا۔انھیں میں سے بعدکوخوارج نمودار ہوئے جنھوں نے علی کے خلاف منظّم بغاوت کی اورانھیں اوران کے ساتھیوں کوعلانیہ کافرومرتد قراردیا۔انھوں نےعلی کی بیعت کوتوڑکراپنی جماعت سے اپنا امیر بھی چن لیااورانھیں کے تین اشخاص نے بیک وقت عمروبن العاص،معاویہ وعلی کوقتل کردینے کا منصوبہ تیارکیا۔علی کوعبدالرحمٰن بن ملجم نےتلوار کے دوضربات سے سخت زخمی کردیا جس کے نتیجے میں وہ شہید ہوگئے۔اورمعاویہ شدیدزخمی ہوکر بال بال بچ گئے۔عمروبن عاص اتفاق سے اس دن بیمار تھےاورصبح نماز فجر کے لئے مسجد نہ جاسکے۔وہ اس طرح قتل یا زخمی ہونے سے بچے۔خلفائے راشدین میں سے تین خلیفہ پے درپے دشمنان اسلام یہود ونصاریٰ اورمجوس کی سازش کا شکار بنے۔صرف ابوبکرکوجن کی مدت خلافت صرف دوسال پانچ ماہ کی مختصرمدت تھی انھیں کواپنے بستر پرطبعی

موت نصیب ہوئی۔

علی اور معاویہ وعمرو بن عاص کے باہم نزاع واختلاف کے باوجود ایک ہی گروہ کے تین اشخاص نے بیک وقت تینوں کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا اور ان اشخاص کا تعلق علی کے گروہ سے تھا، یعنی خوارج سے۔

ظہور روافض

علی کے خلاف خوارج کی بغاوت کے دوران شیعان علی کے نام سے ایک غالی فرقہ نمودار ہوا جو روافض کہلائے۔ ابتداءً شیعان علی تو وہ تھے جو جمل وصفین کی جنگ میں علی کے موقف کے حامی تھی اور جنھوں نے علی کے ساتھ معاویہ اور ان کے حامیوں کو عقد تحکیم کے وقت مومنین ومسلمین تسلیم کیا تھا اور وہ صحابہ اور اہل بیت تھے، لیکن خوارج نے جب علی اور شیعانِ علی پر حکم کفر لگایا اور ان سے قتال کا راستہ اختیار کیا تو روافض نے علی کو رب مان کر مختار کل ہونے کا اعلان کر دیا اور صحابہ واہل بیت سے الگ کر دیا تھا اور تعلقات ترک کر دئے تھے۔ دراصل یہ سبائی تھے جو تقیّہ کر کے خود کو شیعان علی ظاہر کرتے تھے۔ حضرت علی نے اس فرقہ کے لوگوں کو ظلم عظیم (شرک) سے باز رکھنے کے لئے آگ کی خندقوں میں ڈھکیل کر زندہ جلا ڈالنے کا حکم دیا تھا۔ لوگوں نے علی کو ایسا کرنے سے روکا کہ آپ انھیں ایسی سزا نہ دیں جو اللہ نے اپنے لئے مخصوص کی تھی تو علی نے فرمایا: ''کہ اگر یہ لوگ مجھے رب کا شریک ٹھہرائیں گے تو اللہ میرے ہاتھوں سے انھیں ایسی ہی سزا دلوائے گا جو اس نے اپنے لئے مخصوص کی ہے''۔

یہ خلافت علی کے دور کا ایک آخری فتنہ تھا کہ انھین اپنے نام نہاد حامیوں کے ساتھ ایسا سلوک بھی کرنا پڑا۔ وہ حامی نہ تھے بلکہ حمایت کے نام پر علی کو مسلمانوں میں بدنام کرنے کے درپے تھی۔ گویا یہ سبائی شیطنت کی انتہا تھی۔

معاویہ کی خلافت کا استحکام

عقد تحکیم میں علی کے معزول کئے جانے کے بعد عرب کے تمام صوبے ایک ایک کر کے معاویہ کو اپنا خلیفہ تسلیم کر چکے تھے۔صرف ایک صوبہ عراق باقی تھا جو اس پورے دور نزاع میں فتنوں کا سب سے بڑا مرکز بنا۔جس طرح عثمان اور معاویہ کے حامیوں کا مرکز صوبہ شام تھا۔اسی طرح علی کے حامیوں کا سب سے بڑا مرکز عراق تھا۔لیکن اہل شام نے جس طرح ہر ہر موقع پر معاویہ اور ان کے خاندان کے ساتھ وفا کی،اہل عراق نے علی واہل بیت کے ساتھ قدم قدم پر غداری اور دغا کی۔

حسن بن علی کی خلافت

اب جبکہ تمام صوبے ایک ایک کر کے معاویہ کی بیعت قبول کر چکے تھے تو اس بات کا سوال ہی نہ تھا کہ حضرت امام حسن اہل کوفہ کے امیر بننے پر رضامند ہوتے،لیکن اہل عراق بنوامیہ کے کسی ایک فرد کو بھی اپنا خلیفہ وامام ماننے پر تیار نہ تھے۔چنانچہ وہ اس بات پر بضد تھے کہ معاویہ کو اپنا امیر تسلیم نہ کر کے حسن بن علی کو اپنا امام وامیر بنائیں گے۔چنانچہ حضرت امام حسن نے اپنی خلافت کیلئے نہیں بلکہ مسلمانوں کو کسی اور متوقع فتنہ سے بچانے کے لئے محض مصلحتاً ان کی یہ پیش کش قبول کر لی اور ان سے سمع وطاعت کی بیعت لے لی۔

اب معاویہ اس بات کو کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ جب تمام صوبے ان کی طاعت قبول کر چکے تو اہل عراق اپنا امیر کسی اور کو چن لیں۔لہذا انہوں نے اہل عراق کی طرف پیش قدمی کی تو اہل عراق نے بھی کمر ہمت باندھی کہ وہ امام حسن کی خلافت کیلئے معاویہ سے لوہا لینے کیلئے تیار ہیں۔

چنانچہ اہل عراق کی خواہش اور تقاضے کے مطابق امام حسن عراقی مجاہدوں کی فوج

لے کر مقابلہ کیلئے روانہ ہوئے۔راستے میں رات کے وقت ایک مقام پر قیام فرمایا: تو آپ نے اپنے چند مخصوص لوگوں کو متعین کر دیا کہ لوگوں کے خیمے کے قریب ہو جائیں' اور کان لگا کر ان کی سرگوشیاں سنیں' کیوں کہ دھوکہ دہی کی ایسی سازشیں کرنے کیلئے اہل عراق اب کافی حد تک بدنام ہو چکے تھے۔صبح حضرت حسن کو خبر دی گئی کہ اکثر لوگ اپنے خیموں میں آپ کی اس پیش قدمی کا ہنس ہنس کر مذاق اڑا رہے تھے کہ جب تمام صوبے عرب کے علی کے ساتھ تھے اور صرف ایک صوبہ معاویہ کے پاس تھا تو علی کی ان سے پیش نہ گئی اور صفین کی جنگ ہار بیٹھے اور آج جبکہ عراق کے علاوہ تمام صوبے معاویہ کی امارت کو تسلیم کر چکے ہیں تو علی کے صاحبزادے اہل عراق کو لے کر آج معاویہ کا مقابلہ کرنے جا رہے ہیں۔

امام حسن کی معاویہ سے صلح

حضرت امام حسن نے جب عراقی مفسرین کی یہ باتیں سنیں تو اسی مقام سے ایک خط معاویہ کو لکھ دیا کہ ہم آپ سے جنگ نہیں، صلح کرنا چاہتے ہیں۔حسن کی معاویہ کے ساتھ اس صلح کی پیش کش کا مطلب اسکے سوا اور کیا ہو سکتا تھا کہ وہ خود کو اور اپنے مبایعین کو معاویہ کی بیعت میں داخل کرنا چاہتے تھے۔اور اب اسکے جواب میں معاویہ کی طرف سے اتنا ہی تحریر کر دینا کافی تھا کہ ہم آپ کے ممنون اور شکر گزار ہیں کہ آپ نے مسلمانوں کو باہم جدال وقتال سے بچا لیا۔

لیکن معاویہ نے امام حسن کو اسکے جواب میں لکھا: اے نواسۂ رسول اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ آپ مجھ سے علم وفضل، دین ودیانت اور ورع وتقوی میں فائق وبرتر ہیں لہذا اگر آپ مجھے باور کرا سکیں کہ اس درجہ اختلاف وانتشار کے دور میں آپ اپنی سیاسی حکمت عملی سے مسلمانوں کو اپنے جھنڈے تلے جمع کر لیں گے تو سب سے پہلے میں خود آپ کی بیعت کرنے کو تیار ہوں۔لیکن اگر آپ کو میری سیاسی بصیرت پر اعتماد ہے تو یہ کام آپ مجھ

پر چھوڑ دیں اور جو بھی شرائط آپ مجھ سے منظور کرانا چاہیں وہ اس منسلکہ سادہ کاغذ پر جس پر میر دے دستخط مہرِ خلافت کے ساتھ ثبت ہیں لکھ بھیجیں وہ مجھے پیشگی منظور ہیں۔

امام حسن معاویہ کے اس خط سے بے حد متاثر ہوئے اور اس فیاضانہ پیش کش کو معاویہ کے خلوص اور نیک نیتی پر محمول کیا اور پھر چار شرطوں کے ساتھ معاویہ سے صلح کر لی اور انکے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے۔ وہ چار شرطیں حسب ذیل تھیں:

۱۔اہل عراق کو عام معافی دیدی جائے اور ان سے اب کسی قسم کا انتقام نہ لیا جائے

۲۔اہواز کے علاقہ کا خراج مجھے اپنے اخراجات کے لئے دیدیا جائے

۳۔حضرت امام حسین کو ۱۲ لاکھ درہم انکے سالانہ اخراجات کیلئے دیا جائے

۴۔صلات وعطیات میں حسب دستور سابق بنو ہاشم کا لحاظ رکھا جائے

معاویہ نے مِن وعَن ان چاروں شرطوں کو منظور کرلیا اور امام حسن نے امیر معاویہ کی اطاعت قبول کر لی۔

حضرت حسن پر اہل کوفہ کی برہمی

جب اہل کوفہ کو یہ علم ہوا کہ حضرت حسن نے معاویہ کی اطاعت قبول کر لی ہے تو انھوں نے ان پر سب وشتم کیا۔منہ پر تھوکا اور گریبان چاک کر دیا۔اور مذل المومنین عار المومنین اور مسوّد وجوہ المومنین جیسے بدترین خطابات سے نوازا۔

حضرت امام حسن نے فرمایا: (طاعتکم طاعة معروفة) ''تمہاری اطاعت شعاری کا حال مجھے اچھی طرح معلوم ہے''۔لہذا میں نے تمہارے لئے وہی راستہ اختیار کیا ہے جسمیں تمہاری مصلحت اور بہتری دیکھی۔بس اب جا کر تم بھی معاویہ کی اطاعت قبول کرلو اور زیادہ شیخیاں مت مارو۔

شہادت حسن

جب اہل کوفہ کے ناپاک عزائم کوحسن نے اسطرح ناکام بنادیا توانکے پاس آپ سے انتقام لینے کا کھلا ہوا راستہ باقی نہ رہا۔اگر وہ اس واقعہ کے بعد امام حسن کو اسی طرح قتل کرتے جسطرح امام حسین کو کربلا میں شہید کیا تو معاویہ کے غیظ وغضب کا نشانہ بنتے اور پھر معاویہ کیلئے بھی ان سے کھل کر انتقام لینے اور انکو انکی شرارتوں کی پوری سزا دینے کا جواز فراہم ہوجاتا۔لہذا انہوں نے حسن کو زہر دلوا کر شہید کرادیا۔اور پھر سبائیہ نے الٹے اسکی ذمہ داری معاویہ کے سر پر تھوپنی چاہی۔حالانکہ یہ بات کسی طرح قابل قبول نہیں ہوسکتی کہ معاویہ جیسے دوراندیش سیاسی انسان اپنے انتہائی مخلص ومحسن کوخود زہر دلوادے۔معاویہ نے تو امام حسین سے کوئی تعرض نہ کیا جن کے متعلق انکو مسلسل خبریں پہنچائی جاتی رہی ہیں کہ وہ در پردہ انکی بیخ کنی میں مصروف ہیں بلکہ انکے حق میں اپنے بیٹے یزید کو وصیت کی تھی کہ اہل کوفہ حسین کو تمہارے خلاف ابھارنے کی کوشش کریں گے لیکن وہ ہمارے محسن ہیں اور ہمارے رسول کے نواسے ہیں لہذا ان کے ساتھ درگزر اور رواداری کا برتاؤ کرنا۔حضرت حسن سے معاویہ کو کون سا خطرہ تھا جبکہ وہ انکے حق میں اپنی خوشی سے خلافت سے دستبردار ہوچکے تھے۔اور اپنے بعد یزید کیلئے جس سے خطرہ تھا وہ حسین تھے، نہ کہ حسن۔حسن نے تو ایک بار کوفہ کے سبائیوں کا منھ کالا ہی کردیا تھا۔لہذا وہ دوبارہ انکی طرف کب نظر اٹھاسکتے تھے۔دراصل پوری تاریخ سبائیت میں ایک چیز ہر جگہ نظر آئیگی۔یعنی ایک ہی تیر سے چند شکار۔تخریب کاری اور پھر اسکا الزام بھی انہیں پر ڈالنا جن کی تخریب کی جارہی ہے۔معاویہ کا ایک بازو بھی کاٹ دیا اور پھر انھیں پر الزام عائد کردیا کہ انھوں نے خود ایسا کیا ہے۔لیکن ظاہر ہے کہ معاویہ کی زندگی میں کسی کی مجال نہ ہوئی کہ انکی بابت ایسی کوئی بات اپنی زبان پر لاسکے۔

خاندان نبوت پر سبائیت کا آخری وار

اب امام حسن کے بعدان کے چھوٹے بھائی امام حسین تھے۔یزید کیلئے خلافت کی بیعت معاویہ نے اپنے ارباب شوریٰ کے مشورے سے لے لی تھی۔شورائیت عامہ کا خاتمہ تو علی کی خلافت ہی سے ہو چکا تھا' اب تو گروہی سیاست کا دور تھا۔لہذا جولوگ معاویہ پر معترض ہوتے ہیں کہ انہیں ایسا کرنے کا ہرگز حق نہیں تھا وہ اسوقت کے حالات کی نزاکت پر نظر نہیں رکھتے۔وہ ابوبکر وعمر کے دور پر نگاہ رکھتے ہیں جسوقت مسئلہ خلافت کی بابت مسلمانو ں میں کوئی ادنیٰ کشمکش بھی نہ تھی۔شیخین نے رسول کی نیابت کا حق جسطرح ادا کیا اسے دیکھکر ہرکس وناکس خلافت کی تمنا بھی نہیں کرسکتا تھا۔لیکن قتل عثمان کے بعد قریش کے دونوں بڑے خاندانوں (بنوہاشم وبنوامیہ) میں وہ پہلے جیسی بات نہ رہی کہ بلا اختلاف وکشمکش ایک خاندان دوسرے خاندان کی سرداری قبول کرلے۔خود حضرت علی نے دونوں جنگوں کے مصائب گوارا کرلئے لیکن شورائیت عامہ کی بابت کوئی بات نہ سوچ سکے۔لہذا جب جمل وصفین سے پہلے اسکا امکان ختم ہو چکا تھا تو اسکے بعد کیسے ہوسکتا تھا۔لہذا معاویہ کواپنے دور میں ایسا کوئی اقدام کرنے کیلئے اپنی ہی شوریٰ سے مشورہ کرنا تھا۔تاریخی واقعات شاہد ہیں کہ معاویہ کوایسا کرنے میں کسی قسم کی کوئی خاص دشواری اور مخالفت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔صرف قابل ذکر حضرات میں سے چار ہستیوں نے یزید کی بیعت نہیں کی تھی۔پھران میں سے بھی دو نے یعنی عمروابن عباس نے بیعت کرلی۔اب صرف امام حسین اور عبداللہ ابن زبیر تھے' تاہم دونوں میں فرق تھا۔عبداللہ ابن زبیر تو مکہ میں کھل کر حجاج کے مقابلے پر ڈٹ گئے اور جان دیدی۔لیکن امام حسین نے خود اپنی جانب سے کوئی مخالفانہ رویہ اختیار نہیں کیا تھا۔اہل کوفہ انھیں طرح طرح سے اکساتے رہے۔خطوط پر خطوط اور وفود پر وفود ان کی خدمت میں بھیجتے رہے۔پے درپے خطوط کے دو تھیلے حضرت حسین کے پاس پہنچادیئے گئے لیکن امام حسین کو پھر بھی ان غداروں پر یقین نہ آیا تو صورتحال کے

مشاہدہ کیلئے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو بھیجا۔انکے ہاتھ پر اٹھارہ ہزارافراد نے حسین کی بیعت کر لی،اور بعض روایات کے مطابق تیس ہزارافراد نے حسین کی بیعت کر لی جس پر انھوں نے خود حضرت حسین کو کوفہ آنے کی دعوت دی۔

اب جبکہ مکہ سے حسین بن علی کوفہ کی طرف روانہ ہوئے تو قدم قدم پر آپ کے رفقاء نے کوفہ جانے سے آپ کو روکنا چاہا اور کہا کہ اہل کوفہ غدار ہیں۔آپ کے والد اور بڑے بھائی سے غداری کر چکے ہیں وہ آپ کے ساتھ وفا نہ کریں گے۔اور آپ کے سامنے ہمیں ہلاکت ہی نظر آرہی ہے۔مگر حضرت مسلم کے خط کے بعد آپ نے کسی کے مشورہ کی پرواہ نہ کی اور آگے ہی بڑھتے چلے گئے۔یہاں تک کہ مقام کربلا پر پہنچ کر آپ کے ساتھیوں کو بے دردی سے شہید کر دیا گیا۔کوفہ کو علی نے اپنا دارالخلافہ بنایا تھا اور وہاں انکے ماننے والوں کی اکثریت تھی،جسطرح معاویہ اور یزید نے شام کو اپنا دارالخلافہ بنایا' جہاں انکے حامیوں کی اکثریت تھی۔فرق صرف یہ تھا کہ اہل شام وفا شعار تھے اور انہوں نے اپنے امام سے کبھی غدر نہیں کیا۔اور اہل کوفہ بد باطن اور غدار تھے جنھوں نے اپنے اماموں (علی حسن حسین) سے کبھی وفا نہیں کی۔

اب امام عالی مقام اہل کوفہ کی دعوت پر سیکڑوں پیغامات وصول کر کے عازم کوفہ ہو رہے ہیں۔قدم قدم پر انکے بہی خواہ وہاں کے خطرات سے آگاہ کر رہے ہیں۔اور صاف صاف کہہ رہے ہیں کہ اہل کوفہ غدار ہیں۔کسی نے یہ نہ کہا کہ یزید آپکا جانی دشمن ہے اسلئے وہاں نہ جایئے۔یزید کو اپنا نظام حکومت چلانے کیلئے زیادہ سے زیادہ انکی بیعت کی ضرورت تھی اور کم سے کم اس بات کی کہ آپ اسکے خلاف کوئی سازش نہ کریں۔لیکن حضرت امام والا مقام سازش کرنے والے بھی نہ تھے۔زیادہ سے زیادہ یہی تھا کہ بیعت سے علیحدہ تھے۔اور ایک فرد کی بیعت سے کنارہ کش رہنے سے نظام حکومت میں کون سا خلل واقع

ہوسکتا تھا۔ پھرانکے لئے مکہ میں کوئی خطرہ نہ مدینہ میں،اورنہ ہی شام میں کہ جہاں خود یزید موجودتھا۔تو یہ خطرہ ایک ایسے علاقے میں کیوں پیش آیا جہاں انکے حامیوں کی اکثریت تھی۔

یہ دو تھیلے دعوتی خطوط کے اوروہ اٹھارہ سے تیس ہزارسورما جنھوں نے حسین کی بیعت کی تھی اورانھیں کوفہ آنے کی دعوت تھی۔اس وقت کہاں تھے جب کربلا کے مقام پرعبید اللہ بن زیاد کی بھیجی ہوئی فوج ان پرخونخواردرندوں کی طرح ٹوٹ پڑی تھی۔کربلا کوفہ سے کچھ اتنا دوربھی نہ تھا۔آخروہ عرب تھے،جنگ جو تھے،لڑنا مرنا انکے لئے کوئی بڑی بات نہ تھی،جمل اورصفین میں بھی لڑے تھےاوراسکے بعد بھی لڑتے مرتے رہے۔اگرلڑمرنہ سکے توحسین ابن علی اورخاندان رسالت کی حمایت میں ،مکہ ومدینہ کے لوگوں نے توصرف خیراندیشانہ مشورہ دیا۔پوری کوشش سے روکا مگرانکے ساتھ اہل کوفہ کی سازش کا شکارہوکرقتل ہونے نہ گئے۔لیکن اہل کوفہ نے بلایا اوربیعت شکنی کی اورقتل کردیا۔لہذا ان میں سے غداراوردشمن حسین کون ہے؟۔

خودحضرت حسین کوجب اہل کوفہ کی غداری اورمسلم بن عقیل کےقتل کئے جانے کی اطلاع ملی توانھوں نے وہیں سے واپسی کاارادہ فرمالیا تھا۔لیکن مسلم کے افرادواپسی پررضامندنہ ہوئے۔تو آپ نے بھی واپسی کا خیال ترک فرمادیا۔پھرجب کربلا کے مقام پرپہنچکر پوری صورت حال سامنےآگئی توخودحضرت حسین نے یزید سے بات چیت کرکے معاملہ طےکرلینے کی خواہش ظاہرکی تھی جسےکوفہ کےغداروں نے یکسرمسترد کردیا۔

اہل کوفہ کی ایسی ہی غداری کا مشاہدہ کرکے امام حسن نے انکےعلی الرغم معاویہ سے صلح کرلی تھی اوراگرحسین کی خواہش کےمطابق انھیں یزیدسےمل کربات چیت کا موقع دیاجاتاتووہ بھی یقیناً کچھ شروط وعہود کےساتھ یزید کےساتھ صلح کرلیتے، کیوں کہ ان پر یہ

بات بالکل عیاں ہوچکی تھی کہ انکی حمایت کیلئے کوئی بھی آمادہ نہیں ہے۔ پھر جب کوفی علی اورحسن وحسین کے نہ ہوسکے تو معاویہ اور یزید کے خیرخواہ کب ہوسکتے تھے؟ جب یہ اپنے اما م سے غداری کا الزام اپنے سر لے سکتے تھے تو یزید ومعاویہ کی خیرخواہی کب کر سکتے تھے ؟اگر یزید کے خیرخواہ ہوتے تو اسمیں ذرہ برابر کوئی مضائقہ نہ تھا کہ انھیں یزید سے مل کر معاملہ طے کرنے کا موقع دیدیتے۔ یہ کون سی خیرخواہی تھی کہ پورے خاندان نبوت کا سرقلم کر کے یزید کی خلافت کے استحکام کا دعویٰ کیا جائے جبکہ خود یزید بھی یہ جان کر کہ حضرت حسین ان سے مل کر بات چیت کے خواہشمند تھے کافی رنجیدہ ہوا۔ اورعبید اللہ بن زیادگورنرِکوفہ پر بار بار لعنت کے الفاظ دہرائے، بلکہ اسنے یہ بھی کہا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ کوفہ کے لوگ امام حسین کے گرد اپنی سازشوں کا جال بن رہے ہیں تو انکو مع اہل وعیال یہاں اپنے پاس بلالیتا۔خواہ اس سے ہمیں کوئی سیاسی نقصان ہی کیوں نہ برداشت کرنا پڑتا۔

یزید کے گھر حسین کی شہادت پر غم منایا گیا۔اسنے اپنے مکان سے متصل ایک خالی مکان میں حضرت امام کی عورتوں وبچوں کوٹھہرایا۔ان کو چند دن عزت کے ساتھ اپنی مہمانی میں رکھا اور پھر پوری عزت واحترام کے ساتھ اپنی سواریوں پر بحفاظت مدینہ منورہ بھجوادیا۔ بوقت رخصت امام زین العابدین سے کہا: دیکھو مجھ سے برابر خط وکتابت کرتے رہنا کوئی بھی ضرورت پیش آئے مجھے مطلع کرنا۔

حضرت سکینہ اکثر کہا کرتی تھیں کہ میں نے کبھی ناشکرا انسان یزید سے زیادہ احسان کرنے والا نہیں دیکھا۔ پوری زندگی یزید آل حسین کے ساتھ حسن سلوک کرتا ،اور مدینہ سے جولوگ آتے ان سے انکی خیریت دریافت کرتا۔

فاطمہ بنت حسین نے کہا: اے یزید! کیا رسول ﷺ کی لڑکیاں کنیزیں ہوگئیں

؟یزید نے کہا:اے میرے بھائی کی بیٹی! ایسا کیوں ہونے لگا؟فاطمہ نے کہا: اللہ کی قسم ہمارے کانوں میں ایک بالی بھی نہیں چھوڑی گئی۔یزید نے کہا:تم لوگوں کا جتنا گیا ہے اس سے کہیں زیادہ میں تم کو دوں گا۔چنانچہ جس نے اپنا جتنا نقصان بتایا اس سے دوگنا تین گنا ہرایک کو دیا گیا۔

اب حسین وآل حسین کہ جن کے ساتھ یہ واقعات پیش آئے خواہ اہل کوفہ کے ناپاک عزائم سے وہ یکسر بے خبر رہے ہوں لیکن یہ سلسلۂ مظالم ان پر گزر جانے کے بعد کیا اب تک وہ اس بات سے غافل تھے کہ دراصل قاتل لوگ کون تھے اور انکے ناپاک عزائم کیا تھے؟ ظاہر ہے کہ اگر ان کی نظروں میں قصوروار بذات خود یزید ہوتا اور وہ اس قتل وخون ریزی کا ذمہ دار اسی کو سمجھتے تو آل حسین کی مثالی غیرت انھیں ہرگز اس بات کی اجازت نہ دیتی کہ یزید کے مہمان خانہ پر بیٹھ کر کان کی بالیوں جیسی حقیر چیزوں کا اس سے مطالبہ کریں۔ایسا مطالبہ تو کسی ایسے ہی شخص سے ممکن تھا جسے وہ اپنا غمگسار اور خیر خواہ سمجھتے ہوں۔

اور پھر بی بی سکینہ کا ہمیشہ اسکے سلوک واحسان کا تذکرہ اپنی زبان پر لاتے رہنا خود اس بات کا ثبوت تھا کہ یزید ان کی نظروں میں قاتل حسین نہ تھا۔آل حسین ہفتہ دس روز یزید کی مہمانی میں رہے،یزید اور اسکے خاندان کی عورتیں جسطرح آل حسین کے غم میں برابر کی شریک رہیں اور پھر جس طرح انکی وہاں خاطر ومدارات ہوئی اور نہایت عزت واحترام کے ساتھ یزید کے افراد خاندان انکے ساتھ پیش آئے اور خود درد وحسرت سے یزید کا بار بار عبداللہ بن زیاد اور قاتلین حسین پر لعنت کرنا، برابر اپنے ساتھ زین العابدین کو اپنے دسترخوان پر بٹھا کر دونوں وقت کھانا کھلانا' یہ ساری باتیں ان کی نظروں میں تھیں۔پھر حسین کی یزید سے مل کر بات چیت کرنے اور مسئلہ کو طے کرنے کی خواہش جسے ظالموں نے یکسر مسترد کر دیا، حالانکہ اگر یہ بات ایک طرف حسین کے حق میں تھی کہ انھیں اس مصیبت کا

سامنا نہ کرنا پڑتا تو اس سے کہیں بڑھ کر خود یزید کے حق میں تھی کہ اسکا عہد حکومت آل رسول کے خون سے بری رہتا۔ لہذا ابن زیاد نے، عمرو بن سعد نے یا شمر اور اسکے ساتھیوں نے جو کچھ مظالم محض اپنی شیطنت سے فتنہ پردازی کیلیئے کیئے اس سے یزید کی حکومت کا فائدہ ہوا یا اسکی بنیادیں ہل گئیں؟ یہ مقتولینِ کربلا کے سر نیزوں پر اٹھائے ہوئے شغال زادے جو کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک دوڑے تاکہ یزید کی خوشنودی حاصل کریں اور انعام واکرام سے نوازے جائیں۔ انھیں یزید کی جانب سے صرف لعنت کے جوتے دیئے گئے۔ سبائیت نے یہاں بھی ایک تیر سے دو شکار کیئے:

ا۔ خاندان نبوت کا خاتمہ ۲۔ اور یزید کی رسوائی کا سامان

قاتلین حسین پر اللہ کی ابد تک لعنت ہوتی رہے خواہ وہ کوئی ہو جسکا ادنیٰ اشارہ یا اسکی رضا ان کے قتل میں شامل ہو۔ اس پر اللہ کی ہزار بار لعنت ہو۔ لیکن ایک دیانتدار مؤرخ جو صرف آنکھیں بند کر کے سبائیت کا راگ نہ الاپ رہا ہو' تاریخ کی روشنی میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ خونِ ناحق جو سراسر یزید کی مصالح کے خلاف تھا خود یزید کے حکم یا اسکی اجازت ورضا یا اسکے کسی ادنیٰ اشارے پر بہایا گیا ہو۔ ایسا کسی شیعی تاریخ سے بھی ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن سبائیت آج تک اپنے گریہ وماتم اور سینہ کوبی کے ساتھ دنیا کو باور کرانا چاہتی ہے کہ یزید ہی ان تمام واقعات کربلا کا ذمہ دار تھا۔ لہذا اس پر لعنت بھیجنا ضروری ہے اور پھر خلافت یزید کی ذمہ داری معاویہ پر اور معاویہ کی ذمہ داری عثمان وعمر پر اور عمر کی ذمہ داری ابوبکر پر ڈال کر اس پورے سلسلہ خلافت پر لعن طعن کا بازار گرم کیا جاتا ہے۔ یہ تو سبائیت کی اس شاخ کا کارنامہ ہے جسے رافضیت کا نام دیا جاتا ہے اور اسکی دوسری شاخ خارجیت نے تو علی اور انکے تمام اہل بیت کو یکسر کافر ومرتد قرار دیا اور انکو واجب القتل ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ نعوذ باللہ! خوارج نے جب علی کے خلاف بغاوت کی

توانھیں قتل عثمان کی سازش میں بھی شریک ٹھرایا ۔استغفراللہ! معاویہ کوتو پہلے سے کافرقراردے چکے تھےلیکن اس کے بیٹے یزید پراتنے مہربان ہوئے کہ اسے ابوبکروعمر سے بھی افضل خلیفہ قرار دیدیا۔اورمعاذاللہ! حضرت حسین کوباغی اورواجب القتل گردانا۔یہ رہی سبائیت کی دوسری شاخ یعنی خارجیت۔

بس سبائیت کی یہی دونوں شاخیں مل کرصحابہ واہل بیت سب کوکافرومرتدقراردے کرپورے دین وایمان واسلام وقرآن کی نفی دیتی ہیں اور یہودیت کا یہی مقصد ہمیشہ سے رہاہے﴿وَقَالَت طَّآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُواْ بِالَّذِىَ أُنزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ آمَنُواْ وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُواْ آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ (آل عمران: 72)''ایمان لاؤاس کتاب برجواہل اسلام پراتاری گئی دن کے ابتدائی حصہ میں اوردن کے آخری حصہ میں اسکے منکر ہوجاؤتاکہ اہل اسلام اپنے دین سے برگشتہ ہوجائیں''۔

پس اسی آیت کے بمصداق عبداللہ بن سباء یہودی حضرت عثمان کی خلافت میں داخل اسلام ہوا اورصوبہ شام کے علاوہ ایک ایک صوبہ میں اپنی سازشی مراکز قائم کئے ۔اورحضرت عثمان سےلیکرامام حسین تک ایک ایک امام وخلیفہ کوقتل کرادیا۔

حضرت عثمان کے عہد میں انکی خلافت کواکھاڑنے کیلئے مسلمانوں میں یہ مطالبہ عام کیا گیا کہ خلافت رسول کے اصل حقدار بنوہاشم ہیں ۔لہذاامویوں کوخلافت کا کوئی حق نہیں۔اگربات یہی تھی توامویوں کے بعد جب عباسیوں کی خلافت کا دورشروع ہوا توانکا یہ مطالبہ پوراہوگیا تھا۔کیوں کہ بنوعباس بنوہاشم ہی تھے۔لیکن اب سبائیوں نے ایک نیا شوشہ چھوڑا کہ خلافت کے اصل حقدار بنوفاطمہ ہیں۔لہذاعباسی خلفاءبھی بنوفاطمہ کے حق کے غاصب ہیں ۔لہذااب عباسی خلافت کے خلاف انکی ریشہ دوانیاں شروع ہوگئیں۔ان

ہی دنوں ان میں ایک فرقہ باطنیہ پیدا ہوا جسنے ظاہر شریعت کی کلیۃً نفی کردی۔اور عیش وعشرت واباحیت کا دروازہ دوپٹ کھول دیا۔ان میں ایک شخص حسن بن صباح نکلا جس نے مصنوعی جنت بنوائی جسمیں وہ لوگوں کونشہ کی حالت میں داخل کراتا اور وہاں کے حوروغلمان سے ہم آغوش کراکے دوبارہ نشہ کی حالت میں چندروز بعد جنت سے باہر کرا دیتا تھا۔ اور پھران طالبان جنت سے اس کار پرداز ان کی قربانیوں کے عوض جنت کا سودا کرتے اور عباسی خلفاء کو اسطرح قتل کرادیتا تھا۔

اسطرح خلفاء بنوعباس کا قتل حسن بن صباح کی جنت کی قیمت تھی لیکن عباسی خلفاء بڑے زبردست تھے۔انھوں نے اس فتنہ کونیست ونابود کردیا تو آخری چارۂ کار کے طور پر عباسی خلافت کی بیخ کنی کیلئے ہلاکوخاں تاتاری کو بغداد تاراج کرنے کیلئے دعوت دی گئی۔خلیفہ مستعصم باللہ کے دوانتہائی قابل وزیر تھے جوخود کوشیعان علی کہتے تھے۔شیعان علی سے کسے پرہیز ہوسکتا تھا۔جسے علی سے لگاؤ تھا اسے شیعان علی سے بھی الفت تھی لیکن وہ صرف نام کے شیعان علی تھے۔دراصل وہ سبائی تھے جوتقیّہ کے طور پر خودکوشیعان علی ظاہر کرتے تھے۔وہ تھے نصیرالدین طوسی اورابن علقمی۔ان دونوں سبائیوں نے ہلاکوخاں کو بغداد تاراج کرنے کی دعوت دی تھی۔اور بغداد کا اتنا مکمل نقشہ رومال پر بنا کرتاتاری افواج کی رہنمائی کیلئے بھیجا گیا تھا کہ جسمیں بغداد کی ایک ایک گلی وکوچہ کودکھایا گیا تھا۔اوراسکی قیمت تاتاریوں سے صرف یہ چاہی گئی تھی کہ مصر میں کچھ دنوں کیلئے بنوفاطمہ کی حکومت قائم ہوجائے۔

چنانچہ ان کی سازشوں سے عباسی خلافت کا نام ونشان صفحہ ہستی سے مٹ گیا۔تمام بغداد خون میں غرق کردیا گیا۔تمام عباسی امراء وعلما کوجام شہادت نوش کرنا پڑا۔دریائے دجلہ مسلمانوں کے خون سے سرخ ہوا تو دریائے فرات جلی ہوئی اسلامی کتب

خانوں کی سیاہی سے سیاہ ہوگیا تھا۔قیامت برپا تھی اور کسی کو کسی بات کا ہوش نہ تھا۔مگر اس بات کا سب کو ہوش تھا کہ بغداد کے درودیوار پر لکھ دیا گیا تھا کہ:''اللہ اس شخص پر لعنت کرے جو ابن علقمی پر لعنت نہ کرے''۔

اس خون ریزی کے عوض صرف دوڈھائی سال تک مصر میں بنوفاطمہ کی نام نہاد خلافت قائم کردی گئی جو بعد کو ختم کردی گئی۔لہذا تمام تر لعنتیں یہود کی اس سازشی ایجنسی (سبائیت) پر ہوں جن کی گردنوں پر تمام خلفائے اسلام کا خون ہے۔معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہوجاتا۔ترکوں نے عربوں سے تو عنانِ حکومت چھین ہی لی لیکن ایک صدی کے اندر وہ خود داخل اسلام ہوکر اسلام کے جھنڈے تلے تقریباً سات سو سال تک اسلام،قرآن،کعبہ وقبلہ اول کی حفاظت کرتے رہے۔اور تمام باطل طاقتوں اور صلیبی قوتوں کا تنہا مقابلہ کرتے رہے۔انھوں نے پورے چار صدیوں تک دنیا بھر کے مسلمانوں کو حفاظت اسلام کی ذمہ داریوں سے فارغ کردیا تھا۔اور تنہا تمام باطل محاذوں پر ڈٹے رہے۔اور ایک ایک دشمن طاقت سے اپنا لوہا منواتے رہے۔پھر انکا بھی زوال آخر یہود ونصاری کی سازشوں سے ہی ہوا۔جنھوں نے عربوں کو خلافت کا حقدار قرار دے کر ترکوں کے مقابل کھڑا کیا اور صلیبی قوتوں کی تائید وحمایت سے عثمانی خلافت کا خاتمہ کرایا۔اور تمام عرب ممالک کو عثمانیوں سے آزاد کراکے انھیں چھوٹی چھوٹی تیرہ ریاستوں میں تقسیم کردیا۔اور عربوں کو لے جاکر انھیں صلیبی طاقتوں کی گود میں بٹھادیا۔۱۹۴۶ء میں ان کے قلب میں اسرائیلی ریاست کا خنجر پیوست کردیا تاکہ اگر کوئی حرکت ہو تو یہیں سے عربوں پر ضرب کاری بھی لگائی جاسکے۔وہ آج تک اپنے ہاں نظام خلافت کے دوبارہ احیاء سے عاجز وقاصر ہیں۔غالبًا امیر فیصل مرحوم نے اس بابت کچھ سوچا ہی تھا کہ ان کو بھی فوراً آڑے ہاتھوں لے لیا گیا۔ہاں اسپین کی آٹھ سو سالہ خلافت کے زوال کا سبب مؤرخین شیعوں کی سازش کا عمل دخل مانتے ہیں

۔لیکن دراصل وہ شیعہ نہیں بلکہ وہ سبائی تھے۔شیعیت کا لبادہ انھوں نے ہردور میں اپنے اوپر رکھا تا کہ ان سازشی عزائم پر کسی مسلمان کی نگاہ نہ پڑ سکے۔حتٰی کہ ہندوستان میں مغل حکومت کے اسباب زوال میں سب سے بڑا سبب گولکنڈہ کی شیعہ ریاستوں کی بغاوت اور میر صادق ومیر جعفر کی غداری کو قرار دیا جاتا ہے۔لیکن آج تک یہ بد باطن طبقہ محرّم الحرام کے موقع پر سال بہ سال اپنے گریہ وماتم اور سینہ کوبی کے شوروہنگامہ میں یہی کہتا چلا آرہا ہے کہ علی اور آل رسول پر مظالم خود مسلمانوں کے ہاتھوں ہوئے ہیں۔

ابھی آٹھ سال کی بات ہے کہ آیت اللہ خمینی وارد ایران ہوئے تو ان کا دعوی تھا کہ وہ حضرت علی کے طرز کی خلافت قائم کریں گے۔انھوں نے خود کو امام زماں کہلوایا اور اللہ اکبر خمینی رہبر کے نعرے لگوائے اور اپنے فوٹو (تصاویر) اس کثرت سے ایران اور بیرون ایران پھیلائے کہ انکے عقیدتمندوں نے گویا اسے جلبِ منفعت اور دفعِ مضرت کے لئے ایک تعویذ بنا رکھا ہے۔انھوں نے بیک زبان امریکہ واسرائیل وروس کو درجہ اول کا اسلام دشمن ٹھہرایا۔اور چھوٹے بڑے شیاطین قرار دیدیا۔لیکن آج پورے آٹھ سال سے ان کی جو جنگ ایک پڑوسی ملک عراق سے جاری ہے وہ کس مقصد سے ہے؟

شاہ ایران اگرچہ امریکہ نواز تھا لیکن اسکے زمانہ میں ایران فوجی واقتصادی اعتبار سے کافی طاقتور اور مضبوط تھا۔اور آج ایران علیؓ کے طرز پر خلافت کا دعویٰ کر کے خود بھی ویران ہو چکا ہے اور عراق کو بھی تباہ وبرباد کر چکا ہے۔جنگ کی ابتدا تو عراق کی طرف سے ہوئی تھی۔لیکن از ابتدا تا امروز جب جب مصالحت کی کوشش کی گئی تو ہمیشہ عراق نے مثبت رویہ اختیار کیا۔اور ایران نے منفی رویہ اپنایا۔اور خلیفۂ چہارم کے نائب کا حال یہ ہے کہ وہ کسی بھی ایسے عرب ملک کو مسلمان تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں جو انکے موقف کا حامی نہ ہو۔ان کا کھلا عزم یہ ہے کہ حرمین شریفین اور نجف اشرف کو فتح کر کے دنیا میں عدل

حقیقی کا قیام عمل میں لائیں گے اور یہ عدل حقیقی اسوقت تک دنیا میں قائم نہیں ہوسکتا جب تک کہ روضہ نبی پاک ﷺ سے شیخین (ابوبکر وعمر) کی تربت کو علیحدہ کر کے انکی جگہ حسن وحسین کی تربت کو عراق سے لاکر رکھ نہ دیا جائے۔اور اسکے لئے عراق وحجاز دونوں کا فتح کرنا ضروری ہے۔امام زماں کو امام زماں اور نائب خلیفہ چہارم بننے کیلئے عراق وحجاز دونوں کی ضرورت ہے۔حجاز کی تو اسلئے کہ وہ اسلام کا مرکز ہے اور عراق کی اسلئے کہ وہ علی کا دارالخلافہ تھا۔لہذا اب وہ عراق پر غلبہ کی کوششوں کے ساتھ حرم پاک پر بھی دست درازی کی ابتدا فرما چکے ہیں اور ایران کے حجاج اُس حج کیلئے نہیں جاتے جو عبادت ہے اور ارکان دین سے ہے، بلکہ سیاسی حج کی غرض سے جایا کرتے ہیں۔اسمیں حج کے تلبیہ کے ساتھ امریکہ مردہ آباد اور اللہ اکبر خمینی رہبر پکارنا ضروری ہے۔لیکن سعودی حکومت کے لوگ ظالم ہیں جو انھیں سیاسی حج سے روکتے ہیں۔

سننے میں آیا ہے کہ امسال ایرانی حجاج آستینوں میں خنجر چھپا کر لے گئے تھے اور جب انھیں ایسے نعروں سے پولیس کے محافظ دستے نے روکا تو وہ ان پر ٹوٹ پڑے۔اور تقریباً ۸۰۔۸۵ افراد کو خنجر گھونپ کر ہلاک کر دیا۔اور پھر کس خوبصورتی سے اسکا ردعمل امریکہ کے خلاف ظاہر کیا ہے' گویا سعودی حکومت کی پولیس نے اپنی حفاظت کیلئے فائرنگ کی تو اسمیں بھی امریکہ کی سازش کا دخل تھا۔ورنہ وہ صرف مار کھاتے اور ہاتھوں پر رائی جمائی بیٹھے رہتے۔

آخر جب تمام بڑی طاقتیں شیطانی طاقتیں ہیں اور ایران اسلحہ سازی میں خود کفیل بھی نہیں ہے تو یہ کثیر اسلحہ جو عراق سے اسکی جنگ میں صرف ہو رہا ہے کہاں سے آرہا ہے؟ ہندو پاکستان کے مابین صرف سترہ دن کی جنگ میں دونوں ملکوں کی ساری آتش بازی جل کر خاکستر ہوگئی۔اور جنگ کو آگے بڑھانے کی طاقت کسی میں نہ رہی۔لیکن آج ان دونوں

ملکوں میں آٹھ سال سے خون ریز جنگ جاری ہے اور پھر بھی اس جنگ کو آگے بڑھانے میں کسی شیطانی طاقت کا ہاتھ نہیں ہے۔؟ یہ بات محل غور ہے تقریبا آج سات ماہ کی مدت ہوئی میں نے رابطہ میں اعلی ایران کی معرفت ایرانی رہنماؤں اور خاصکر خمینی صاحب کو لکھا تھا کہ آپ کی حیثیت ایک عالمِ دین کی ہے اور آپ اصلاح امت کے لئے اٹھے ہیں ،تو ایسی جنگ آپ کے شایان شان نہیں جو سراسر مسلمانانِ عالم کے مفاد کے خلاف اور دشمنان اسلام کے مفاد میں ہو۔

لہذا آپ یکطرفہ طور پر اس جنگ کو روکنے کا اعلان کریں پھر صدام حسین کی مجال کیا ہے کہ جنگ بندی میں پس وپیش کرے۔اسکا جواب تو مجھے موصول ہوا لیکن اس سے میں بالکل مطمئن نہ ہوا وہ محض ایک عذر تھا۔

پھر میں نے لکھا تھا کہ علی کی جانشینی کا دعوی صرف ایسے ہی شخص کو زیب دیتا ہے جو علی جیسا بے نفس انسان ہو کہ دشمنان اسلام کو قتل کرتے وقت اگر نفس کے انتقام کو دخل ہو جاتا تو دشمن کے سینے سے اتر کر ایک طرف کھڑے ہو جاتے ۔اور امام زماں وہ ہوگا جو صرف امت محمدی وملت ابراہیمی کا ایک فرد ہوگا ۔وہ کسی شیعہ سنی کیمپ سے نمودار ہونے والا فرد نہ ہوگا۔

میں نے مذکورہ بالا سطور میں جس فتنۂ سبائیت کا بار بار تذکرہ کیا ہے اس کی بابت رابطہ والوں نے مجھے لکھا تھا کہ آپ بلا وجہ ایک افسانوی شخصیت کا ذکر بار بار دہراتے ہیں تو اس کے جواب میں میں نے لکھا تھا کہ عبداللہ ابن سبا، یمنی یہودی افسانوی شخصیت نہیں ہے بلکہ ایک تاریخی حقیقت ہے ۔چنانچہ تاریخ طبری سے کئی صفحات مسلسل نقل کر کے ارسال کئے تھے جس میں عبداللہ بن سباء کا داخل اسلام ہو کر اپنے تخریبی پروگرام کے لئے ایک ایک صوبہ میں مراکز قائم کرنے اور اس کے بعد کے بڑے بڑے فتنوں کا ذکر پوری

تفصیل سے موجود ہے۔قتل حسین تو تاریخ خلافت یزید کا ایک واقعہ ہے لیکن سبائیت کی تباہ کاریوں سے پوری اسلامی تاریخ بھری پڑی ہے۔اعتقادی وعملی سطح پر اس گروہ نے سب سے زیادہ نقصان شیعہ فرقہ کو پہنچایا۔ان کو ۷۳ فرقوں میں تقسیم کردیا اور ایسے ایسے مسائل وعقائد ان میں دین کے نام سے پھیلائے کہ جسے دین حق کی تخریب ہی کا نام دیا جاسکتا ہے۔متعہ دورِ جاہلیت میں سماجی عقد کی ایک شکل تھی۔جب تک قرآن میں اس کی ممانعت کی آیت نازل نہ ہوئی بعض اصحابِ رسول نے بھی اس کی اباحت کا فائدہ اٹھایا۔لیکن کیا صحابہ واہل بیت نے یہ عمل خود نہیں کیا۔اور جب آیتِ حرمت نازل ہوئی تو اس کی حرمت کا اعلان کردیا گیا جیسے شراب کہ وہ حلال کرکے دوبارہ حرام نہیں کی گئی تھی بلکہ وہ نزول حرمت سے پہلے اباحتِ اصلیہ پر تھی۔جسے اکثر صحابہ نوش کرلیتے تھے لیکن کبار صحابہ اور اہل بیت اس سے بھی اجتناب کرتے تھے۔تو آج اگر متعہ کی بابت شیعہ وسنی میں کوئی اختلاف ہوسکتا ہے تو صرف اسی دائرے میں ہونا چاہیے کہ وہ آج بھی جائز ہے یا اس کا جواز ختم ہوگیا۔کیونکہ وہ سماجی نکاح کی ایک گھٹیا شکل تھی۔ہر شخص خود کو فخر سے نکاح سے پیدا شدہ کہہ سکتا تھا۔لیکن متعہ سے پیدا شدہ کہلانے میں ہمیشہ عار محسوس کی گئی ہے۔لیکن یہ شیعیت کے دین ومذہب میں سبائیت کی تخریب کاری نہیں تو اور کیا ہے؟

(ومن تمتَّعَ مرّةًواحدةً فدرجته كدرجة الحسن،ومن تمتَّعَ مرّتين فدرجة الحسين،ومن تمتَّعَ ثلاث مرات فدرجته كدرجة عليٍّ،ومن تمتَّعَ أربع مرات فدرجته كدرجة النبى صلي الله وعليه وسلم)

''جوایک بار متعہ کرے وہ حسن کے مرتبہ کو پالے اور جو دودفعہ متعہ کرے تو وہ حسین کے درجہ پر فائز ہو اور جو تین مرتبہ متعہ کرلے وہ علی کی منزلت کو پاوے اور چار مرتبہ متعہ کرے وہ نبی

ﷺ کے درجہ پر پہنچ جائے''۔نعوذ باللہ من ذالک

اس سے بڑا کفر نبی پاک ﷺ کے ساتھ اور اہل بیت نبی کی اس سے بڑھ کر تحقیر وتذلیل اور کیا ہوسکتی ہے جو اس شیعہ روایت سے ثابت ہوتی ہے۔ابھی حال میں ایران کے ایک عالم نے بھی متعہ کی بابت ایسے ہی واہی خیالات کا اظہار کیا ہے کہ گویا وہ سارے فضائل ومحاسن کا سرچشمہ ہے اور تقیہ یعنی دین کو چھپانا، اور دین میں مصلحت آمیز جھوٹ بولنا تو وہ دین کے دس حصوں میں سے نوحصۂ دین قرار دیا گیا۔ گویا اب شیعہ فرقہ کی دینی روایات کا کوئی اعتبار ہی نہ رہا۔ لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم

دنیا کا کوئی ایسا مذہب نہیں جس میں جھوٹ بولنا عبادت ہو اور جس میں اس دین کو اظہار کے بجائے اخفاء کی اجازت ہو لیکن اہل تشیع کے دین کو سبائیوں نے اس طرح مسخ کر کے رکھ دیا کہ اس میں اسے دس حصوں میں سے نوحصہ دین قرار دیا گیا ہے۔ یہ تمام تصریحات جب میں نے علماء ایران کو لکھ بھیجیں تو وہ بالکل خاموش رہے اور کسی ایک بات کا انکار نہ کر سکے۔

اہلِ سنن کا اغواء

نوابینِ اودھ کے دور میں جب شیعہ فرقہ کے لوگوں کے پاس بڑی بڑی ریاستیں اور جاگیریں تھیں انھوں نے حمایت حسین وآل حسین کے نام پر سُنّی حضرات کا اغوا کیا اور انھیں محرم میں تعزیہ داری میں شرکت کی دعوت دی۔لیکن تعزیہ داری کے اس ڈرامے میں شیعوں نے اہلِ سنن کو وہ تمام رول سونپے جو قاتلین حسین کے تھے۔ اور وہ تمام رول خود اپنے لئے چن لئے جو حسین کے سوگوار کے لیے۔ اور اس طرح دنیا پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی قاتل حسین دراصل اہل سنن ہی ہیں۔

تعزیہ سازی

یہ کام سنی مسلمانوں کی رنگریز برادری کے سپرد کیا کہ وہ تعزیہ یعنی قبر حسین اپنے ہاتھوں سے بنائیں کیوں کہ حسین کے قاتلوں ہی نے ان کی نعش کو سپرد خاک کیا تھا۔

نقارۂ جنگ

یہ نقارۂ جنگ سنی دفالی برادری سے محرم میں بجوایا گیا جب کہ کربلا میں طبل جنگ بجانے والے حامیانِ حسین نہ تھے بلکہ قاتلین حسین ہی تھے۔

فوجی مارچ

اکھاڑے کے سنی ان پڑھ پہلوانوں کو تلواروں، نیزوں اور لاٹھیوں کا اکھاڑا نکالنے کی پیش کش کی گئی جس کو انھوں نے نادانی سے قبول کرلیا۔حالانکہ یہ عبداللہ بن زیاد کی بھیجی ہوئی فوج کی نقالی تھی۔

جلوس میں سنی خواتین کی شمولیت

شیعہ عورتیں تو محرم کے ایام میں ترک زینت اور ماتمی سیاہ لباس پہن کر اپنے گھروں کی چہار دیواریوں میں محصور ہوجاتی ہیں۔ اور سنی خواتین ریشمی لباس زیب تن کر کے تعزیہ کے جلوس میں حلیم، کباب، پراٹھے اور کھچڑا کھاتی پھرتی ہیں حالانکہ ان کے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب نے اس سے سختی سے منع فرمایا ہے۔

سنی علماء کے مواعظ

سنی علماء محرم میں بڑی رقت انگیز انداز سے داستانِ کربلا اور واقعہ شہادت سناتے ہیں اور یزید پر سب وشتم کرنے اور صحابہ کرام پر نادانستہ کیچڑ اچھالنے میں شیعہ علماء سے بھی مسابقت کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کا موقف صحابہ واہل بیت دونوں ہی سے محبت وعقیدت کا ہے۔ یزید کو یزید پلید کہہ کر وہ گویا محبت اہل بیت کا حق ادا کرتے ہیں لیکن وہ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ یزید کو خلیفہ بنانے والے معاویہ ہی ہیں جو صحابی رسول اور کاتبین وحی

میں سے تھے۔کیا اللہ کو ان کے بعد کے حالات کا علم نہ تھا کہ بذریعہ وحی اپنے نبی کو منع فرمادیتا کہ معاویہ سے قرآن کی کتابت نہ کروائیں، نیز یزید کی بیعت کرنے والوں میں صحابہ کی ایک خاصی تعداد بھی ہے جنھوں نے اس کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی تھی۔

یزید کیسا شخص تھا کہ اس کا اندازہ آج ہم سبائی روایات کی روشنی میں کررہے ہیں اور وہ بھی چودہ صدیوں کے بعد لیکن کبار صحابہ جیسے ابن عمر، ابن عباس وغیرہ، کیا وہ اس کے ذاتی حالات سے اتنے بھی واقف نہ تھے جتنے آج ہم اپنے آپ کو سمجھ رہے ہیں۔امیر بننے والے کی تو اپنی غرض ہوتی ہے کہ انتہائی نااہلی کے باوجود اس کی تمنا کرسکتا ہے لیکن ان اصحاب رسول کو کیا ہوا جنھوں نے کسی اور کی امارت کی خاطر اپنی عاقبت کا سودا کرنا ناگوار کرلیا۔

لہذا ہم اپنی جانب سے نہ تو ہم اس پر تنقید کرنا چاہتے ہیں اور نہ تائید بلکہ اس آیت قرآنی کی روشنی میں اس کا معاملہ ربِ علم وبصیر کے حوالے کرتے ہیں۔

﴿تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾(البقرة:134)

''یہ ایک جماعت تھی جو گذر چکی اس کے نیک وبد کی تمام تر ذمہ داری انھیں پر ہے۔ اور تم سے ان کے اعمال کی بابت سوال نہ کیا جائیگا۔''

ہاں وہ مسلمان انتہائی قابل ملامت ہیں جنھوں نے حسین سے ہر طرح کا عہد ومیثاق کیا اور پھر ان کی مدد کو نہ پہنچے اور ظالموں کے ہاتھوں انھیں شہید کرادیا۔

یہ شہر بمبئی ایک مدت دراز سے سنی وشیعہ علماء کی مرثیہ خوانی وعزاداری کے مقابلوں کا اکھاڑا بنا ہوا پیشہ ور نوحہ خواں اور عزادار علماء وشعراء کی اس شہر میں بڑی آؤ بھگت ہوتی ہے بعض شعلہ بیاں سنی مولوی صاحبان جو یزید کو گالیاں دینے میں اپنا جواب نہیں

رکھتے یہاں کے شیعہ عوام کی طرف سے بھی بڑے اعزاز واکرام کے مستحق بنتے ہیں۔اور پھر فخر سے کہتے ہیں۔

اس طرح کہتے ہیں سنی داستان اہلبیت

یعنی داستان اہلبیت اورواقعات کربلا خوداہلبیت کے ذکر کردہ واقعات کے بالکل برعکس بیان کئے جاتے ہیں۔اورسبائیت کی ہمنوائی کا پورا پوراحق ادا کردیا جاتا ہے خواہ اس کی نذر جا کراصحاب رسول پر پڑے یا خوداہلبیت پر۔

میری شیعہ وسنی بھائیوں سے گذارش ہے کہ اگر واقعی انھیں اہلبیت سے محبت وعقیدت ہےتو تمام اصحابِ رسول اورمعاویہ کی بابت وہی موقف اختیار کریں جوخوداہلبیت کا تھا۔اورسبائیت کے اغوا سے خودکوآزاد کرنے کی صورت پیدا کریں جس کا اگرایک وار اصحاب رسول پر ہےتو دوسرا اہلبیت پر۔

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کواہل بیت اوراصحاب رسول کےنقش قدم کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

والسلام

حکیم ابوالحسن عبیداللہ خاں رحمانی

۱۰رمحرم الحرام ۱۴۰۷ھ

یوم العاشوراء یوم الفرح أم الحزن؟

(باللغة الأردیة)

تألیف

شیخ الحدیث العلامة ابوالحسن عبیدالله الرحمانی المبارکفوری رحمه الله

مراجعة

شفیق الرحمن ضیاء الله المدنیّ

الناشر

المکتب التعاونی للدعوة والارشاد وتوعیة الجالیات باالربوة

الریاض-المملکة العربیة السعودیة